ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ/ ۹-۱۰	شعبان-رمضان ۱۴۲۹ھ	ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء	جلد/ ۲۶

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب

وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ ۱۲۰/ روپے

فی پرچہ ۱۲/ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-الدرالمنثور معروف بہ تذکرۂ صادقہ..	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری	۷
۵-رمضان المبارک کے فضائل واحکام	شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانیؒ	۱۸
۶-زکوۃ: اہمیت ومسائل	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲۷
۷-عہدے اور منصب کا اسلامی تصور	مولانا اسعد اعظمی	۳۷
۸-روزے کے احکام	مولانا عبدالکبیر مبارکپوری	۴۲
۹-تراویح: اہمیت وفضیلت اور حقیقت	ڈاکٹر رحمت اللہ السلفی	۴۸
۱۰-وظائف واوراد کی عملی تطبیق	ابوطاہر بن عزیز الرحمٰن سلفی	۵۶
۱۱-دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے متعلق...	ابوطارق	۶۳
۱۲-میت کی تدفین کے بعد قبر پر......	فاروق عبداللہ اشرف فیضی	۶۹
۱۳-مولانا ابوسعید جھمکاوی	مولانا محمد حنیف مدنی	۷۵
۱۴-کھجور کے فوائد		۷۸
۱۵-جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ		۸۰
۱۶-جامعہ سلفیہ بنارس میں ہونہار طلبہ کا تیسرا سالانہ تحریری انعامی مقابلہ		۸۲
۱۷-اخبار جامعہ		۸۴
۱۸-ہماری مطبوعات	مولانا عبدالوہاب حجازی	۸۵
۱۹-نعت رسول	فائق بندوی	۸۶
۲۰-باب الفتاوی	نورالہدی عین الحق سلفی	۸۷

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کا آخری پیغام اس کے آخری نبی کے نام

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ، إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴾ (سورہ نصر)

جب اللہ کی مدد آئی اور فتح مل گئی اور آپ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہورہے ہیں، پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے، بیشک وہ (آپ کا رب) توبہ قبول کرنے والا ہے۔

رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، جس کی طرف اس سورہ مبارکہ میں اشارہ ہے، یہ وہی مہینہ ہے جس میں شب قدر ہے، یہ وہی مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا، اور یہ وہی مہینہ ہے جس میں آپ کو نبی بنایا گیا، اور اس مبارک مہینہ کا روزہ مسلمانوں پر فرض کیا گیا، اور روزہ کے ثواب کو اللہ تعالیٰ نے قاعدہ کلیہ سے اٹھ کر اپنے کرم خاص سے نوازنے کا وعدہ کیا ہے۔

آج ہم رمضان کا روزہ رکھتے ہیں، ثواب کی امید میں قرآن مجید کی تلاوت اور تراویح کی نماز بھی پڑھتے ہیں، لیکن ہمارے اکثر بھائی اپنے اس مذہب کے بارے میں اور اپنے اس دین کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں یا جاننا ہی نہیں چاہتے، کہ یہ اسلام کیسے پھیلا، اس کی کیا تعلیمات ہیں، اور اللہ کے نبی محمد ﷺ جو آخری نبی بن کر دنیا میں آئے اور مکہ سے تبلیغ شروع کی، کن کن مشکلات کو جھیلا، آپ کو مکہ سے ہجرت کر کے دوسرے شہر مدینہ میں جاکر رہنا پڑا پھر آپ پر کیا گذری، کتنی جنگوں کا سامنا کیا پھر دوبارہ مکہ میں فاتحانہ کب اور کیسے داخل ہوئے، اور پھر اس کے بعد کیا ہوا، وغیرہ وغیرہ۔

ہم سب مسلمان آپ کے امتی ہیں اور آپ کے ہر فرمان کے تابع ہیں، میں مسلمانوں کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم نے اپنے نبی ﷺ کو کیسا نبی تسلیم کیا ہے، کیا ان کی تعلیمات کا ہماری زندگی پر، ہمارے رہن سہن پر، ہمارے لین دین پر یا ہمارے معاشرہ پر بھی کوئی اثر ہے۔ یاد رکھئے اگر ہم نے آپ کی تمام باتوں کو نہیں مانا تو ہوسکتا ہے ہماری نماز وروزہ ہمارے کام نہ آئے۔

صحابہ کرام نے بھی اس سورہ کے نزول کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ اب آپ کا نبوت کا کام پورا ہو چکا ہے اور آپ بہت جلد ہم سے جدا ہوجائیں گے، کاش ہم بھی اس کو سمجھتے اور جس کی طرف اس سورہ میں اشارہ ہے اس پر غور کرتے۔ ☆☆

درس حدیث: ۱۱۷

ہلال رمضان کا ثبوت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن ابن عباس، قال: جاء أعرابي إلى النبی ﷺ، فقال: إنی رأيت الهلال – يعنی هلال رمضان – فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله ؟ قال: نعم. قال: أتشهد أن محمدا رسول الله ؟ قال: نعم. قال: يا بلال ! أذن فی الناس أن يصوموا غدا. رواه أبوداود، والترمذی، والنسائی، وابن ماجه، والدارمی. (مشكاة ج۱، ص ۱۷٤)

قال صاحب المرعاة ؒ: وأخرجه أيضا ابن خزيمة وابن حبان والحاكم ...... ، وقال الحافظ فی بلوغ المرام: صححه ابن خزيمة وابن حبان. وقال الحاكم: هذا الحديث صحيح ...... (مرعاة ج ٦، ص ٤٤٩)

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں نے (رات) چاند دیکھا ہے۔ (یعنی رمضان المبارک کا چاند) آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تو ''لا إلہ الا اللہ'' کی شہادت دیتا ہے؟ بدوی نے کہا: ہاں۔ آپ نے (پھر) پوچھا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ بدوی نے جواب دیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا: بلال! لوگوں میں اعلان کردو کہ کل (رمضان کا) روزہ رکھیں۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی وغیرہ، حدیث صحیح)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر سچا، پکا ایک ہی مسلمان ہلال رمضان کی خبر یا شہادت دے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور طلوع ہلال کا ثبوت مان کر روزہ شروع کر دیا جائے گا، دو گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے آتی ہے، فرماتے ہیں: "تر آی الناس الهلال، فأخبرت رسول الله ﷺ: أنی رأيته. فصام، وأمر الناس بصيامه. رواه أبوداود، والدارمی. (مشكاة ج ۱ ، ص ۱۷٤)

وقال صاحب المرعاة ؒ: وأخرجه أيضا ابن حبان ...... ، وسكت عنه أبوداود، وصححه ابن حبان وابن حزم ......، وقال النووی: إسناده على شرط مسلم. (مرعاة ج ٦ ، ص ٤٥۱)

یعنی حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ لوگ چاند دیکھنے دکھلانے جمع ہوئے، میں نے اکیلے چاند دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ بے شک میں نے چاند دیکھا ہے۔ تو آپ نے روزہ رکھا، اور لوگوں کو (رمضان کا) روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (ابوداود وغیرہ، حدیث صحیح)

البتہ ہلال عید کے لئے دو عادل کی شہادت ضروری ہے۔ اور جو لوگ بدلی اور غیر بدلی میں فرق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ غیر ابر آلودگی میں جم غفیر کا چاند دیکھنا شرط ہے، ان کے قول کے بارے میں صاحب مرعاۃ ؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کی کتاب وسنت اور قول صحابی کسی سے بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ "وأما ما ذهب إليه ...... ، أي باشتراط الجم الغفير فی الصحو، ففيه نظر، لأنه لا دليل على هذا من كتاب الله، ولا من سنة رسوله، ولا من قول صحابی. (مرعاة ج ٦، ص ٤٥٠)

رب العالمین! ہمیں فہم کتاب وسنت دے، اور عالم باعمل بنا، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

اخلاق وعادات کی اصلاح اورتبدیلی کے وسائل

۴-نفس میں اسلامی عقیدہ کے معانی کی تقویت کا کامل اہتمام کرنا، جن میں سرفہرست اللہ پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان اور محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے، نفس میں معانی عقیدۂ اسلامیہ کی تقویت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نفس اسلامی اخلاق کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور عقیدہ اور ایمان وتقوی کی مضبوطی کے ساتھ مسلمان کے پاکیزہ اخلاق بھی مضبوط اور غیر متزلزل ہوجاتے ہیں، مسلمان کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق اس قوی وعزیز اللہ سے ہے جس کے لئے ساری عزت ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿فان العزة لله جميعا﴾ (۱۳۹/۴) ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان کو عزت کا ایک حصہ ملتا ہے، ارشاد ہے: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾ (۸/۶۳) عزت تو صرف اللہ تعالی کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے۔ مومن کسی مخلوق سے خوف نہیں رکھتا نہ اس کے لئے ذلت اختیار کرتا ہے اور نہ اس کے یہاں منافقت اختیار کرنا ہے، اس لئے کہ سارے امور اللہ کے ہاتھوں میں ہیں جیسے نفع نقصان، روزی، زندگی اور موت وغیرہ، ارشاد ربانی ہے: ﴿وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يردك بخير فلا راد لفضله﴾ (۱۰/۱۰۷) اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔

البتہ مومن کی عزت میں کبر وغرور بالکل نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ایمان باللہ کی بنیاد پر قائم ہے اور بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے، بقیہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، اسی لئے مومن ہمیشہ تواضع اور خاکساری کے اخلاق کا حامل ہوتا ہے، عزت وتواضع کے ساتھ صبر جمیل، اللہ پر کامل بھروسہ، اور ایسی امید جس میں مایوسی کا گذر نہیں، یہ اعلی درجہ کا اخلاق ایمان کا نتیجہ ہے، اسی طرح قناعت، نفس کی پاکیزگی، مخلوق سے استغناء سب اللہ پر ایمان کے نتائج ہیں، اللہ کے اس فرمان پر مسلمان کا ایمان ہے: ﴿قل ان الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء والله واسع عليم﴾ (۳/۷۳) آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ تعالی ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے اللہ تعالی وسعت والا جاننے والا ہے۔

اور یہ کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر﴾ (۱۳/۲۶) اللہ تعالی جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے۔

اسی طرح سارے اخلاق حسنہ مضبوط طریقہ پر مومن کے اندر باقی رہتے ہیں جب تک وہ ایسے گہرے ایمان کی اساس پر قائم رہتے ہیں جس سے دل اور نفس رنگین ہوتے ہیں، اس طرح نفس میں ایمان کو جاگزیں کرنا اور عقیدہ کے معانی کو قوی کرنا اچھے اخلاق سے آراستگی اور برے اخلاق سے دوری کا بہترین اور قوی ترین ذریعہ ہے۔

۵- اچھے اعمال انجام دینا جو اخلاق کی درستگی یا برے اخلاق کی جگہ اچھے اخلاق کو قبول کرنے میں معاون ہوں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قد أفلح من زكاها﴾ (۹۱/۹) جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔ یہ نفس کو پاک کرنے والے اور اسے اخلاق رذیلہ کی بیماریوں سے نجات دینے والے اچھے اعمال سے ہی ممکن ہے۔

۶- پاکیزہ اعمال میں فرض اورنفل عبادات شامل ہیں جو گندی عادات سے نجات دے کر اچھے اخلاق سے آراستہ کرتی ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ (۲۹/۴۵) یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ زکاۃ کے متعلق فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها﴾ (۹/۱۰۳) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں۔ یعنی بخیلی اور کنجوسی نیز دیگر اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا مقصود ہے، روزہ انسان میں صبر، قوت ارادہ وعزیمت نیز ریاء سے دوری کے اوصاف پیدا کرتا ہے، حج بہت سے فضائل اخلاق کے حصول کا ذریعہ نیز رذائل سے نجات کا سبب ہے، حج میں صبر کی تربیت ہوتی ہے، اخلاص کی روحانی وقلبی دولت حاصل ہوتی ہے، جسمانی خواہشات پر قابو حاصل ہوتا ہے، اللہ کی پسندیدہ راہوں میں مال خرچ کرنے کی بہترین خصلت پیدا ہوتی ہے، اس سے کبروغروراور خود پسندی جیسی مذموم عادتوں سے نجات ملتی ہے، اسی طرح بقیہ عبادات پر دوام برتنے سے نفس پاک ہوتا، ایمان وتقوی اور اچھے اخلاق اس میں جاگزیں ہوتے ہیں، پاکیزہ اخلاق ہمیشہ پاکیزہ نفس ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔

۷- بری عادات کے مقابل اچھے اعمال انجام دیئے جائیں، مثلاً حسد ایک بری عادت ہے، اس کے مقابل اگر حاسد اس بری عادت کو ختم کرنا چاہے تو جس سے حسد کرتا ہے اس کے لئے بھلائی کی دعا اور طلب مغفرت کرے اس سے اس کے دل سے حسد ختم ہوتا نظر آئے گا، کسی میں تکبر کی عادت ہے وہ فقراء ومساکین کے ساتھ بیٹھے اور ایسے اعمال انجام دے جسے لوگ کم تر جانتے ہوں جیسے بوجھ وغیرہ اٹھانا۔

۸- جس اچھی عادت کو انسان اختیار کرنا چاہتا ہو تو بتکلف اس پر عمل کرتا رہے یہاں تک کہ نفس کو خود ہی ایک وقت پر وہ عادت اچھی لگنے لگے گی، جیسے کوئی اپنا رسم الخط ٹھیک کرنا چاہے تو بار بار لکھنے سے اچھا لکھنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔

۹- اچھے اخلاق والے مومنوں کی صحبت اختیار کرنا اور ان کی باتیں سننا اخلاق کو سنوارنے میں بہت معاون ہے، اسی لئے سلف صالحین اصحاب بدعت ومعصیت اور حاملین اخلاق رذیلہ کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ بات احادیث میں بھی مذکور ہے۔

۱۰- بہترین نمونہ کی شخصیت کو اختیار کرنا، اصلاح اخلاق میں بے حد معاون ہے، مطلق طور پر سب سے بہتر نمونہ تو ہمارے رسول ﷺ ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا﴾ (۳۳/۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالی کو یاد کرتا ہے۔

آج مسلمان اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھ سکتا مگر بصیرت اور دل کی آنکھوں سے آپ کی روح پرور

سیرت اور اخلاق کریمانہ کو دیکھ سکتا ہے، اسی لئے ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی روح پرور سیرت کو بار بار پڑھنا چاہئے، ذہن میں آپ کی شخصیت کا استحضار کرنا چاہئے اور خود کو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں محسوس کرنا چاہئے، اسی طرح آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا بھی استحضار کرنا چاہئے جو اعمال خیر اور اچھے اخلاق وعادات سے بھری ہوتی ہیں، خصوصا خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور تمام مہاجرین وانصار کی سیرت حسنہ۔

۱۱- بگڑے ہوئے معاشرہ کو ترک کرکے اچھے لوگوں کے صالح معاشرہ کو اختیار کرنا، اس کے لئے وہ حدیث دلیل ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے سوآدمیوں کو قتل کیا تھا، اس نے ایک عالم سے پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ عالم نے کہا کیوں نہیں، فلاں جگہ چلے جاؤ جہاں اللہ کی بندگی کرنے والے لوگ بستے ہیں، وہاں تم بھی اللہ کی عبادت کرو اور اپنی اس زمین کی طرف پلٹ کرمت آنا، یہ خراب جگہ ہے۔

۱۲- ہر اچھی عادت کو متاع گراں بہا سمجھ کر اس کی حفاظت کا حریص ہونا چاہئے اور کسی بھی بری عادت کو کمتر جان کر اس سے ڈھیل برتنا بڑے خطرے کی چیز ہے، اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وعدہ کی سچائی کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿واذكر فى الكتاب اسماعيل انه كان صادق الوعد﴾ (۵۴/۱۹) اس کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کر وہ بڑا ہی وعدہ کا سچا تھا۔

اور حدیث میں آیا ہے: "اتقوا النار ولو بشق تمرة" یعنی جہنم کی آگ سے بچو خواہ چھوہارا کے ایک ٹکڑے کی خیرات سے ہو۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "عليكم بالصدق فان الصدق يهدى الى البر، وإن البر يهدى الى الجنة، وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا، وإياكم والكذب فان الكذب يهدى الى الفجور وان الفجور يهدى الى النار وما يزال العبد يكذب ويتحرى الكذب حتي يكتب عند الله كذابا" (متفق علیہ) یعنی سچائی اختیار کرو اس لئے کہ سچائی نیکیوں کی راہ دکھاتی ہے اور نیکیاں جنت کی راہ دکھاتی ہیں اور برابر آدمی سچائی پر عمل پیرا ہو تو اللہ کے یہاں اسے راست باز لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو اس لئے کہ جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی راہ دکھاتے ہیں اور برابر آدمی جھوٹ پر عمل پیرا ہوا تو اللہ کے یہاں اسے جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔

۱۳- مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ سچے پرہیزگار دانا دین دار شخص کی نصیحت کو ماننے پر اپنے نفس کو آمادہ رکھے، ایک شخص اپنے عیب کو نہیں دیکھ پاتا لیکن مومن اس کو دیکھتا ہے، انسان اس شخص کا شکر گزار رہتا ہے جو بتادے کہ تمہارے قمیص کے نیچے بچھو چھپا ہے اور بہت جلد اس کو دور پھینک دیتا ہے، اسی طرح برے اخلاق دلوں اور نفس اور روح میں زہر پھیلانے والے بچھو ہیں، اس لئے کوئی دین دار عاقل اگر تمہیں اس کے لئے نصیحت کرے تو اسے قبول کرنے میں دیری نہیں کرنی چاہئے اور اسے شکریہ کا مستحق سمجھنا چاہئے۔

☆☆☆

الدرالمنثور معروف بہ تذکرۂ صادقہ کا اجمالی تعارف

(۲)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

الدرالمنثور کی بعض خصوصیات کی نشاندہی

الدرالمنثور کے مطالعہ سے اس کی جن نمایاں خصوصیات کا ادراک ہورہا ہے انہیں ذیل میں اختصار سے ذکر کیا جارہا ہے:

۱- دقت پسندی وتفصیل: تذکرہ نگاری کا یہ کمال ہے کہ صاحب ترجمہ کے حالات کودقت پسندی اورتفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، تذکرۂ صادقہ میں ہمیں یہ خوبی متعدد ترجموں میں وضاحت کے ساتھ نظر آتی ہے۔

مولانا یحییٰ علی کے ترجمہ میں ان کے سفر افغانستان میں پیش آنے والی مشکلات، ان کے معمولات یومیہ کے بیان اور پھر گرفتاری اور قید کے تذکرہ میں یہ دقت پسندی وتفصیل نمایاں ہے، انبالہ کی جس کوٹھری میں یہ لوگ قید تھے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر ایک علیحدہ علیحدہ ایک ایک کوٹھری میں کہ جس کو سنگین کوٹھری کہتے ہیں، بند کئے گئے، وہ کوٹھری پانچ فٹ لانبی اور چارفٹ چوڑی ہوگی، اور چھت اس کی نہایت بلند، اور اوپر چھت کے ایک چھوٹا سا روشندان تھا کہ آدمی اس میں سانس لے سکے، نہایت تنگ وتاریک تھی، اس کوٹھری میں تخمیناً اڑھائی تین مہینے ہم لوگ رہے، جملہ گیارہ آدمی تھے، شب وروز میں ایک بار اس کا دروازہ کھلتا، اور ایک جمعدار اور دو تین سپاہی اور ان کے ساتھ ایک باورچی کہ جس کے ہاتھ میں روٹیاں اور دال ہوتیں، اور ایک مشکی کہ جس کے مشک میں پانی ہوتا، اور ایک بھنگی ہاتھ میں گملا لئے ہوئے آتا، اور ہر ایک کوٹھری کو کھولتا، باورچی دو روٹیاں اور کچھ دال دے دیتا، اور مشکی ایک کوزہ پانی دے دیتا، اور بھنگی گملا صاف کردیتا، اور پھر یہ لوگ چلے جاتے، جو جو تکلیفیں اس میں گذریں اس کا بیان طول ہے اور فضول''۔

اسی ترجمہ میں ص ٦٦ پر صدرالدین نامی لڑکے کی پولیس کے ہاتھوں پٹائی اور موت پھر مولانا یحییٰ علی کے جیل کے معمولات اور سپاہیوں پر ان کے وعظ وتبلیغ کی تاثیر کا مؤثر تذکرہ کیا ہے، اس میں بھی دقت پسندی وتفصیل کا پہلو نمایاں ہے۔

دقت پسندی وتصویر کشی کا یہ کمال مولانا ولایت علی کے ترجمہ میں بھی نمایاں ہے، ص۹۴ پر مولانا موصوف کے اوائل عمر کا حال بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے، اس بیان میں تعبیر کے حسن کے ساتھ ساتھ عبرت ونصیحت کا پہلو بھی ہے، لکھتے ہیں:

''اوائل عمر میں بڑے بانکے تھے، آپ کا لباس پوشاک لکھنؤ کے بانکوں کا سا تھا، کاکلیں آہن تاب پشت پر پڑی ہوئیں، اونچی چولی کا انگرکھا مغرق بزر، اور چوڑی دار پائجامہ زری کے کام کا، ٹخنے ڈھکے ہوئے پہنا کرتے تھے، اپنے نانا رفیع الدین حسین خان، جو ناظم صوبہ دار از طرف نواب مرشد آباد تھے، کے بڑے لاڈلے تھے، اس واسطے ہر وقت عمدہ ریشمی وزریں لباس یا ڈھاکے کی جامدانی وتن زیب کا جوڑا آپ کے زیب تن رہتا تھا، خوشبو وعطریات کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا، سونے کے انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھوں میں پڑے رہتے تھے، لیکن سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہی آپ کا حال بدل گیا، مولانا اسماعیل شہید نے اپنی جماعت میں ان کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا، مگر جناب مولانا کو جو مزہ ایمانی حاصل ہوا تھا تو اپنی جماعت والوں کی آپ خدمت کیا کرتے تھے، اب وہ پٹنہ کے بانکے اور ناظم بہار کے لاڈلے خم حب ایمانی سے مخمور ہو کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنے سر پر لایا کرتے تھے، کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے، مٹی گارے کا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، اور جب اپنی جماعت کے کام سے فرصت پاتے تو سید صاحب کی صحبت میں جا بیٹھتے یا تنہا نماز اور دعا میں مشغول رہتے''۔

اسی ترجمہ میں اجلاس پر نماز ظہر کی ادائیگی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے مومنوں کی عزیمت اور قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

''عین اجلاس پر ہم لوگوں نے نماز ادا کی، دو سو جوان پلٹن اور پولیس کے مسلح بندوقیں بھرے ہوئے سنگین چڑھائے ہوئے واسطے حفاظت ہم لوگوں کے منتظر حکم پیچھے کھڑے ہوئے تھے، اور بہت سے لوگ تماشہ بین ونامہ نگار اخبارات وغیرہ واسطے دیکھنے اور سننے کیفیت مقدمہ کے بھی جمع تھے، اس وقت کا نظارہ کچھ عجیب وغریب تھا، بجز خدائے غالب کے کسی کا خوف وخطر مطلق دل پر نہ تھا''۔ص ۶۵

ص۲۷ پر تھانہ (بمبئی) کا ذکر آیا جہاں کی جیل میں مولانا یحییٰ علی کو منتقل کیا گیا تھا، تو مصنف ؒ نے لفظ ''تھانہ'' لکھنے کے بعد قوسین میں اس بات کی تشریح کر دی کہ (جو ایک شہر کا نام ہے) تاکہ پولیس اسٹیشن سے اس کے تشابہ کا اندیشہ نہ رہے۔

۲-معنی آفرینی وحسن تعبیر: تذکرۂ صادقہ میں جا بجا ہمیں معنی آفرینی وحسن تعبیر کے نمونے نظر آتے ہیں، یہ مصنف کی زبان دانی اور جذبہ کی صداقت کا ثبوت ہے، قید وبند کی حالت میں مولانا یحییٰ علی کے وعظ وتبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہوا، آپ کا جسم مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل وزبان آزاد تھے، اس پر کسی کی حکومت نہ تھی بجز اس حاکم حقیقی کے، اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا، آپ امر بالمعروف ونہی عن

المنکر بجالاتے''۔

گرفتاری کے بعد جب مقدمہ کی کارروائی کے لئے قیدیوں کو باہر نکالا گیا تو اس وقت کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعد تین مہینے کے جب مقدمہ ہم لوگوں کا اجلاس میں صاحب مجسٹریٹ کے شروع ہوا اس وقت ہم لوگ گیارہ آدمی قبروں سے نکال کر ایک مکان حوالات میں جمع کر دیئے گئے جو اسی جیل خانہ میں تھا، بعد تین مہینے کے جو ہم لوگوں نے آسمان کی صورت دیکھی اور ایک کو دوسرے سے ملاقات ہوئی از حد خوشی حاصل ہوئی، اس وقت حضرت مولانا (یحییٰ علی) کا صبر واستقلال قابل دید تھا۔ واقعی یہ ہے کہ اگر آپ کا ساتھ ہم لوگوں کا نہ ہوتا تو قدم ہم لوگوں کے ڈگ جاتے''۔

۳-انگریزوں کے ظلم کی تصویر: تذکرۂ صادقہ کے مختلف مقامات پر انگریزوں کا تذکرہ ''اولیاءِ نعمت'' کے طور پر کیا گیا ہے، یا تو اس کا سبب مزید ظلم وستم سے بچنے کا جذبہ ہے یا عفو ومسالمت کا وہ رجحان جس کے لئے مسلمان مشہور ہیں، پھر بھی بعض مقامات پر مصنف نے انگریزوں کے اس ظلم وتعدی کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کا شکار صادق پور اور دوسرے مقامات کے مجاہدین اور انگریزی حکومت کے دوسرے مخالفین ہوئے، مولانا یحییٰ علی پر انگریز حکام کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجسٹریٹ انبالہ نے جیل میں آکر داروغہ کو حکم دیا کہ مولانا سے سخت تر مشقت لی جاوے، چنانچہ خود اس نے اپنے روبرو کھڑے ہو کر ایک بڑے کنویں پر جو رہٹ چل رہا تھا عین تمازت آفتاب میں اس رہٹ کو آٹھ دس قیدی چلا رہے تھے اور وہ بہ مشکل چلتا تھا، آپ کو بھی اس میں دے دیا، آپ دو تین روز تک تمام روز اس کو چلاتے رہے، آپ کو بباعث حرارت آفتاب خون کا پیشاب آنے لگا، آپ نہایت قوی وتوانا تھے اس رہٹ کو کھینچتے، تھک کر بیٹھ جاتے، مگر آپ صبح سے شام تک اس میں لگے ہی رہتے''۔ص ۶۸

مذکورہ ترجمہ ہی میں ص ۶۹ پر جیل میں وبائی بخار اور اس کے نتیجے میں واقع ہونے والی اموات اور لوگوں کے رنج والم کا ذکر ہے، کسی طرح کی فنی خوبیوں سے قطع نظر یہ بیان ایک دل دوز داستان ہے جس میں نہتے شریف اور کمزور انسانوں کو اقتدار کے نشہ میں چور انگریزوں نے نشانۂ ستم بنایا تھا۔

۴-آیات کا حسن اقتباس: مصنف نے مختلف مقامات پر بڑی خوبصورتی اور چابکدستی کے ساتھ آیات اور عربی جملوں کا استعمال کیا ہے، اس سے آپ کی عالی ذوقی اور زبان وبیان کے رموز سے واقفیت واحاطہ کا پتہ چلتا ہے۔

قیدیوں میں سے کچھ لوگوں کو انگریزوں نے بہکا کر اپنے حق میں مجاہدین کے خلاف گواہی کے لئے آمادہ کر لیا تھا، یہ

لوگ دوسرے مجاہدین کو بھی اس دام فریب میں پھنسانا چاہتے تھے، جیل میں انہیں جو سہولت حاصل تھی اس کے حوالہ سے مجاہدین کو ورغلاتے تھے، مولانا لکھتے ہیں:

''اور دوسرے ساتھیوں کو بھی ترغیب گواہی کی دینے لگے، (وقاسمهما انی لكما لمن الناصحين) کا دم بھرنے لگے''۔ص۶۹

عام قیدیوں پر ظلم وستم جاری تھا، اورانہیں عذاب الجوع کا سامنا تھا، لیکن دوسری طرف انگریزوں کا ساتھ دینے والے اسی قید خانہ میں طرح طرح کے عیش وتنعم سے بہرہ ور تھے، لکھتے ہیں:

''گویا نمونۂ قیامت تھا کہ ایک طرف جنت اور دوسری طرف دوزخ نظروں کے سامنے رکھی تھی ، وہ وقت پرلے سرے کی جانچ اورامتحان کا تھا، اس وقت پر آیت کریمہ (وزلزلوا زلزالا شديدا) کا مضمون خوب صادق آتا ہے، اور پل صراط کی سی کیفیت تھی کہ ہر ذی ایمان (رب سلّم سلّم) کہتا تھا''۔

۵-روایت میں احتیاط وصدق پسندی: علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت روایت میں احتیاط ودقت پسندی کے لئے مشہور ہے، احادیث نبویہ کی روایت اور عام معاملات میں اسلام نے صدق ودیانت کی جو تعلیم دی ہے اس کا جیتا جاگتا نمونہ ہمیں ان علماء کی تحریروں اور بیانات میں نظر آتا ہے۔ مصنف تذکرۂ صادقہ نے بھی کتاب کے مختلف مقامات پر اس احتیاط وصدق بیانی کا نمونہ پیش کیا ہے، مولانا یحیٰی علی کو انبالہ جیل سے چھ آدمیوں کے ساتھ جب لاہور منتقل کر دیا گیا اور صاحب تذکرہ انبالہ ہی میں رہے، یہ جدائی تقریبا دوسال قائم رہی، اس مدت کے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے مصنف نے تصریح کردی ہے کہ مذکورہ دوسالوں کی جو کیفیت میں بیان کروں گا وہ سنی ہوئی ہوگی، میں نے خود اس کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ص ۷۰

۶-تواضع وانکساری: کسی مصنف کا اپنی تصنیف وتحریر سے متعلق کمی اور نقص کا اعتراف بڑی بات ہے، یہ خوبی انہیں لوگوں میں پائی جاتی ہے جو تواضع اور کسرنفسی کی صفت سے متصف ہیں، مصنف تذکرہ نے متعدد مقامات پر قلم کی کوتاہی ، عجز بیانی اور فراہمی مواد کے نقص کا اعتراف کیا ہے، جبکہ ان کا تذکرہ اپنی حدتک بیحد جامع ومفصل ہے، یہ ان کی وسعت قلبی اور بے نفسی کی دلیل ہے۔

اس کی ایک مثال مولوی عبدالقدیر ایم ،اے کے ترجمہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں، مصنف نے ان کے حالات اور محاسن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''آپ مثل اپنے برادر معظم حکیم عبدالحمید صاحب کے نہایت ذہین وذکی ہیں، ادب آپ کا نہایت عمدہ، معقولات میں دخل تام، عربی انگریزی دونوں زبانوں میں آپ کو پوری مہارت حاصل ہے، افسوس کہ باعث طوالت آپ کے ملفوظات کو

میں اس جگہ لکھنے سے قاصر ہوں''۔

اس اعتراف سے ہمیں مصنف کے اس احساس کا پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ میں صاحب ترجمہ کی تحریر کو پیش کرنا اور اس کی فکری کاوشوں کا نمونہ ذکر کرنا ترجمہ کے لئے باعث کمال ہے۔

۷-ملکی وسیاسی احوال کا تذکرہ: خاندان صادق پور کی سرگرمیوں کا براہ راست سیاست سے تعلق تھا، انگریزوں اور سکھوں کے خلاف اس خاندان کے لوگوں کی خدمات قابل ذکر ہیں، مصنف نے مختلف ترجموں میں اس طرح کے احوال کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ بعض مقامات پر عام ملکی وسیاسی احوال بھی زیر تذکرہ آئے ہیں، مثلاص ۹۸ پر نواب مبارز الدولہ اور ان کے بھائی ناصرالدولہ کے مابین ناچاقی کا ذکر کیا ہے، جس میں انگریزوں کی مداخلت تک نوبت جا پہنچی ہے۔

۸-اصلاحی کاموں کا ذکر: کسی بھی تذکرہ کی یہ خوبی ہے کہ اس سے قاری کو فکری وعملی غذا حاصل ہو، اور اس کے سامنے محاسن وفضائل کے ایسے مرقع پیش کئے جائیں جن سے وہ اپنی عملی زندگی کو سدھار سکے۔ شعراء وادباء کے تذکروں میں اس پہلو کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، لیکن علماء ومصلحین کے تذکروں میں اس پہلو کو خاص اہمیت حاصل ہے، تذکرۂ صادقہ کے مصنف نے ہر ترجمہ میں اس کا بیحد خیال رکھا ہے، وہ حتی الامکان صاحب ترجمہ کے علمی واصلاحی کمالات اور نجی زندگی کی خوبیوں کو نمایاں کرتے ہیں۔ مولانا ولایت علی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''بڑے حضرت (ولایت علی) کا دستور تھا کہ بعد نماز صبح خود لوگوں کو توجہ دیتے، بعد نماز ظہر درس دیتے، صدہا مریدوں کا ہجوم ہوتا، عصر تک یہی مشغلہ رہتا''۔

''انہیں دنوں میں ایک اور سنت پر آپ نے عمل کیا، ایک شخص عبدالغنی نام ساکن نگرنہسہ جو بہت عرصہ سے قافلہ میں رہا کرتے تھے، اور ایک عورت بیوہ وہ بھی زنانہ مکان میں عرصہ سے تھی، ان دونوں کا نکاح آپ نے کردیا، اور مہر تعلیم قرآن آپ نے مقرر کیا۔ اسی عرصہ میں ایک اور سنت حضرت نے ادا کی، وہ یہ کہ یہاں کے شریفوں میں دستور تھا کہ جب تک زوجۂ اولی زندہ رہتی کوئی برادری والا اس کی دوسری شادی کے واسطے اپنی بیٹی نہ دیتا تھا، اس رسم کو بھی آپ نے توڑا، مسماۃ رشیدن بنت حکیم احمد علی کی شادی ساتھ مولوی فرحت حسین کے باوجود موجودگی زوجۂ اولی کے کردی''۔

''الغرض آپ کا خیال تھا کہ جہاں تک ہوسکے ہر چھوٹی بڑی سنت ادا کی جاوے''۔

۹-فنون سپہ گری کا ذکر: انسان کے محاسن میں شجاعت وبہادری ایک اہم خوبی ہے، اس کی شخصیت کی تشکیل میں اس وصف کی تاثیر بہت نمایاں ہے، قوم جب حالت جہاد میں ہوتو اس وصف کی اہمیت میں اور زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے، خاندان صادقپور انگریزوں سے برسر پیکار تھا، تاریخ میں اس خاندان کو جو عظمت ومکرمت حاصل ہوئی اس کا سبب یہی جہاد اور اس راہ

کی قربانیاں تھیں۔مصنف ؒ تذکرۂ صادقہ نے اسی لئے مختلف ترجموں میں صاحب ترجمہ کی شجاعت و بہادری اور جنگی استعداد وصلاحیت کا بھی ذکر کیا ہے،اپنے والد مولانا فرحت حسین کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''آپ فنون حرب میں خوب مہارت رکھتے تھے،سواری اسپ نہایت عمدہ جانتے تھے،اکثر آپ نہایت بدذات وشریر گھوڑوں پر سوار ہوتے،اوران کو رام بنا کر چھوڑتے،بندوق کا نشانہ ایسا عمدہ جانتے تھے کہ اڑتی چڑیا آپ کے نشانہ سے خالی نہ جاتی،پٹہ اور بانک اور بانا بھی خوب جانتے تھے،آپ اپنے مکان کے باغیچہ کی روش میں کرسی بچھا کر بیٹھ جاتے اور ہاتھ میں گدکا لے لیتے اور چار پانچ آدمی کھڑے ہوکر آپ پر چھوٹ کا ہاتھ چلاتے اور آپ سے چھوٹ لڑتے،آپ دوسروں کے وار سے بچتے اور اپنا وار دوسروں پر لگادیتے۔دریا کی سیاحت میں بھی آپ خوب ماہر تھے،قسم قسم کی پیرائی آپ کرتے تھے،کھڑے اور بیٹھے اور چت۔بالجملہ ہر ہر فن میں سپہ گری کے آپ خوب مشاق و یکہ وتاز تھے''۔

۱۰-تعلیمی کوششوں کی ستائش: مولانا عبدالرحیم ؒ انگریزی زبان اور عصری علوم سے واقف نہ تھے،لیکن ان کے جن اعزاء نے اس میدان میں کامیابی حاصل کی تھی اور تعلیم کے فروغ کے لئے کوشاں تھے اس کا ذکر انہوں نے بڑی وسعت قلبی اور دوراندیشی کے ساتھ کیا ہے،مولانا ولایت علی کے لڑکے مولوی محمد حسن کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے تعلیمی میدان کی ان کی تگ ودو کو سراہا ہے،لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب مرحوم نے یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو ایک اسکول محمڈن اینگلو عربک اسکول کے نام سے جس میں مسلمانوں کے لڑکوں کو انگریزی اور عربی و دینیات دونوں کی تعلیم دی جائے،قائم کیا تاکہ مسلمان علوم مغربیہ سے اپنے دماغوں کو روشن کریں،اوران کے متعصّبانہ خیالات دفع ہوں،اور علوم دینیہ سے اپنے مذہبی امور کی پابندی میں مستحکم رہیں،جوان کے لئے ایک ناگزیر اور ضروری چیز ہے''۔

اسی اسکول کے متعلق مولوی صاحب موصوف کے ارادہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب کا قصد تھا کہ اسکول کو ترقی دے کر کالج تک پہنچائیں،اوراس کے متعلق ایک وسیع اور با آسائش دار المقامہ بنوائیں،مگر افسوس کہ موت نے ان کی کل آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا،جی کی بات جی میں رہی،دو ہفتہ تپ محرقہ ولرزہ میں مبتلا رہ کر ۷/ربیع الاول ۱۳۰۷ھ کو رہ گرائے ملک بقا ہوئے''۔

۱۱-انسانی فضائل ومحاسن کا تذکرہ: سوانح کا افادی پہلو یہ ہے کہ صاحب سوانح کے محاسن وکمالات کا تذکرہ اس انداز سے کیا جائے کہ کسی مبالغہ کے بغیر اس میں دوسروں کے لئے نصیحت ورہنمائی ہو۔تذکرۂ صادقہ میں زیادہ تر شخصیتوں کا تذکرہ اسی انداز سے کیا گیا ہے،ص ۱۷۸ پر حکیم مولوی ارادت حسین کے تذکرہ میں ان کے محاسن کو نمایاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علم وحساب وریاضی میں آپ کوکمال دخل تھا، مناسخہ بہت بڑا بڑا آٹھ آٹھ اورنونو بطن کا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، فن طب میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا، تشخیص مرض اور اسلوب علاج نہایت عمدہ تھا، دستِ شفا تو ایسی اللہ نے دی تھی کہ لوگ اس کو کرامات سمجھتے تھے، ہزاروں مایوس العلاج نے آپ کے ہاتھوں سے صحت پائی، تمام ہندو مسلمان شیعہ وسنی آپ کے نسخوں کو تبرک سمجھ کر نہایت عقیدت سے لیتے اور استعمال کرتے، روزانہ پانچ چھ سو نسخوں سے کم نہیں ہوتا تھا، جو آپ کے مطب سے تقسیم پاتا تھا، ایسی بھیڑ بھاڑ اور ہجوم مستعجلین تو کسی طبیب کے دروازے پر دیکھا نہ سنا، اس کے ساتھ مریضوں کے ساتھ شفقت اور محبت ایسی کہ لوگ اپنے والدین کو بھول جاتے''۔

۱۲- رفاہی کاموں کی ستائش: کسی سوانح میں عوامی فائدے کے اعمال وامور کا تذکرہ مصنف کی وسعت نظر کی دلیل ہے، اور اس سے ترجمہ کی افادیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، حکیم مولوی ارادت حسین صاحب نے دوسری بار ۱۲۸۱ھ میں حج کیا، اور وہاں پر تیرہ برس تک مقیم رہے، اس مدت میں وہاں ان کے ہاتھوں سے متعدد رفاہی کام انجام پذیر ہوئے، مصنف ؒ نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حجاج سے چندہ کرکے لاکھوں روپیہ خرچ کرکے نہر مصر کو صاف کرایا، منی میں رمیِ جمرات کے پاس سڑک جو تھی نہایت تنگ تھی، لاکھوں آدمیوں کا گذر اس سڑک سے واسطے رمیِ جمرات کے ہوتا، اور آگے اس سڑک کے نکلنے کی جگہ نہیں تھی، جو رمی کو جاتا اس کو رجعت قہقریٰ کرنی پڑتی، اکثر خون ہوا کرتا ضعیف وکمزور پامال ہوا کرتے، آپ نے چندہ کرکے وہاں کے شریف وپاشا کی مدد سے پہاڑ کھدوا کر سڑک کو نہایت وسیع کرادیا اور جمرات کی پشت پر سے ایک سڑک نکال دی کہ جس سے لوگ ایک طرف سے آویں اور رمی کرتے ہوئے دوسری طرف سے نکل جاویں، مراجعت کی زحمت نہ پڑے، اس انتظام سے ایک ایسی عمدگی ہوگئی اور ایسا آرام لوگوں کو ملا کہ جن لوگوں نے کہ پہلے اس مقام کی تنگی واژدحام کی کیفیت دیکھی ہے وہی اس کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔''(ص ۱۸۰)

اس موقع پر مزید رفاہی کاموں کا بھی ذکر کیا ہے جس سے صاحب ترجمہ کی خیر پسندی اور مصنف ؒ کی وسعت نظری کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۳- خاندانِ صادقپور کا حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ساتھ جو تعلق قائم ہوا وہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب ہے، حضرت شہیدؒ کی حیات میں اس خاندان کے افراد نے آپ کی دعوت وتحریک کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرکے ایک مثال قائم کی، اور اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک اس دعوت کو سینچتے اور سنبھالتے رہے، اس عزیمت وقربانی کی مثالیں آج بھی کہیں کہیں دیکھنے کو ملتی ہیں، اور جو چیز سب محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت سید شہید ؒ کا قدم جہاں پڑ گیا یا

جولوگ آپ کی بے مثال شخصیت کے ساتھ کسی طرح وابستہ ہوگئے ان کی زندگی بلاشبہ اسلامی سانچہ میں ڈھل گئی، اور عقیدۂ وعمل کی دنیا میں انقلاب پیدا ہوگیا، اور ہمیشہ کے لئے شرک وبدعت سے ان کو نفرت ہوگئی۔

حضرت سید شہیدؒ کی دعوت کی اسی تاثیر کے سبب اس کے ساتھ ربط وتعلق کو علماء نے اپنی تحریر وتقریر میں نمایاں کیا ہے، بہت سے علاقوں میں توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کے خاتمہ کی بابت جب سوال کیا جاتا ہے تو آج بھی لوگ بڑی وضاحت سے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ یہ سید شہید رحمہ اللہ کی دعوت کی برکت ہے، آپ کا قافلہ فلاں وقت میں اس طرف سے گزرا تھا، دریائے گنگا کے کنارے آباد جن شہروں اور بستیوں سے آپ یا آپ کے رفقاء گذرے ان کے حالات آج بھی ان بستیوں سے مختلف ہیں جہاں آپ کی دعوت وتحریک کے اثرات کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے۔

مصنف ؒ تذکرۂ صادقہ نے دعوتِ شہید کی اس اہمیت کو محسوس کرنے کی ہی وجہ سے متعدد ترجموں میں یہ وضاحت کی ہے کہ صاحب ترجمہ کو حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت حاصل تھی، مثلاً ص ۲۰۶ پر مولوی محمد زکی کا ترجمہ، ص ۲۰۹ پر شاہ محمد حسین کا ترجمہ اور ص ۲۱۴ پر شاہ محمد کریم کا ترجمہ۔

اسی اہمیت وتاثیر کے باعث مصنف نے ص ۲۶۰ پر اپنا شجرۂ بیعت ذکر کیا ہے، اور چشتی، قادری ونقشبندی سلسلوں سے اسے نبی ﷺ تک پہنچایا ہے۔

۱۴- سوانح میں حلیہ اور سراپا کا ذکر بھی اہمیت رکھتا ہے، مصنفؒ نے مختلف ترجموں میں صاحب ترجمہ کا حلیہ دقت ووضاحت سے بیان کیا ہے، شیخ قمر علی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''آپ نہایت کشیدہ قامت اور جسیم تھے، ایسا کہ اگر ہزار بارہ سو آدمی میں آپ کھڑے ہوتے تو آپ کا سر اونچا ہوتا''۔

شاہ محمد حسین کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''حلیہ شریف یہ ہے: قد میانہ، رنگ نہایت گورا صاف بلند، نقشہ نہایت خوبصورت، آپ نہایت حسین تھے''۔

مولانا محمد سعید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''حلیہ شریف آپ کا یہ ہے: ''قد میانہ، رنگ گندم گوں، داغ جدری چہرۂ انور پر بکثرت، داڑھی بہت خوبصورت اوسط درجہ کی، نہ بہت ہلکی، بدن پر گوشت''۔

۱۵- ۲۳۴ پر شاہ نصر اللہ وشاہ تاج الدین کے تذکرہ میں اس شاہی فرمان کا تذکرہ ہے جو موصوفین کو اورنگ زیب عالمگیرؒ سے ملا تھا۔ تاریخی اعتبار سے اس مسئلہ کی اہمیت اہل علم سے مخفی نہیں۔

۱۶-مردوں کے تذکرے میں مصنف ؒ نے جس طرح محاسن وکمالات کا احاطہ کیا ہے اسی طرح خواتین کے تذکرہ میں بھی ان کے اوصاف حسنہ کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے، مثلاً ص ۲۵۳ پر قاضی اسد علی کی لڑکی بی بی نجبین کا ترجمہ جو مصنف کی سوتیلی ماں تھیں۔

۱۷-مصنف ؒ نے مختلف ترجموں میں اصحاب تراجم کے یا ان سے متعلق دوسرے علماء وشعراء کے قصائد واشعار ذکر کئے ہیں۔مناسباتی وفرمائشی اشعار سے متعلق ناقدین کی رائے اچھی نہیں ہے، لیکن جن اشعار کو مصنف نے ذکر کیا ہے ان میں بہت سے اشعار فنی محاسن کے حامل ہیں، اوران میں مضمون آفرینی وحسن تعبیر کی خوبی موجود ہے۔

مصنف کی اس توجہ سے یہ اشعار محفوظ ہوگئے، ورنہ معلوم نہیں کب اور کہاں ضائع ہوجاتے۔

مؤلف ؒ کی آپ بیتی

تذکرۂ صادقہ کا سب سے طویل ترجمہ خود مصنف ؒ کا ہے، جو ص ۱۳۰ سے شروع ہوکر ص ۱۵۷ پر ختم ہوا ہے، اس ترجمہ میں اہم معلومات وتفصیلات کے علاوہ تعبیر وبیان کے محاسن بھی موجود ہیں، مصنف ؒ نے بعض ایسی باریک باتیں ذکر کی ہیں جن سے ان کی قوت ملاحظہ کا پتہ چلتا ہے، متعدد ترجموں کی طرح اس میں بھی مصنف نے از راہ خاکساری وتواضع اپنے نقص وعجز کا اعتراف کیا ہے، جو یقیناً کسی مصنف کے لئے باعث مدح ہے۔اس ترجمہ کے جملہ محاسن وخصائص پر اس مختصر مقالہ میں اظہار خیال ممکن نہیں، صرف بعض امور کی جانب اشارہ پر اکتفاء کرتا ہوں:

مصنف ؒ نے ترجمہ کا آغاز تاریخ پیدائش کے اثبات سے کیا ہے، لکھتے ہیں:

''یہ فقیر بتاریخ چودھویں شعبان ۱۲۵۲ھ از پردۂ کتم لباس ہستی کا پہن کر وجود میں آیا، اور چار برس کی عمر میں اول جناب مولوی عبدالرحیم مرحوم ساکن بہار سے، جو یکے از خلفائے عظام بڑے حضرت قدس سرہ کے تھے، پڑھنے کو بٹھایا گیا''۔

اس کے بعد تعلیم کی تفصیل بتائی ہے، اسی ضمن میں لکھا ہے کہ اکیس برس کی عمر میں شادی ہوئی ۱۲۷۴ھ میں والد کے انتقال کی بات لکھی ہے، اوراسی طرح گھر اور خاندان کے دوسرے فوت ہونے والوں کی وفات کا تذکرہ بھی کہیں کہیں آیا ہے، اور پیدا ہونے والوں کا بھی، اور ہر اندراج میں مصنف ؒ نے وقت اور تاریخ کے اثبات کا التزام کیا ہے۔مصنف ؒ کی گرفتاری ۱۲۸۰ھ میں صادق پور سے عمل میں آئی، اس دوران جو کچھ پیش آیا اس کی بھی مصنف نے دلچسپ ودلگداز تفصیل دی ہے، بعض واقعات میں عبرت ہے اور بعض میں نصیحت۔اسلوب اتنا سادہ اور مؤثر ہے کہ قاری کو اکتاہٹ نہیں ہوتی۔جن باتوں کو مصنف ؒ نے از راہِ اختصار چھوڑ دیا ہے ان کے لئے منشی محمد جعفر صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''تواریخ عجیبہ'' کا حوالہ دیا ہے۔

ص ۱۳۴ پر مصنف ؒ نے ایام قید اپنے معالج بننے کی دلچسپ داستان لکھی ہے جس سے تائید غیبی کا یقین ہوتا ہے۔

جہاز کے کپتان کی حالت نازک ہوئی، مصنف معالج نہ تھے لیکن ان کو ایک شخص کے کہنے سے پلٹن کے جمعدار نے بلایا، اور انہوں نے مریض کی حالت کا اندازہ لگانے کے بعد وہاں موجود دواؤں میں سے بعض کو سمجھنے کے بعد استعمال کرایا، اللہ تعالی کے کرم سے فائدہ ہوا جس کے نتیجہ میں مؤلف ؒ کو کٹھگھرہ سے رہائی ملی اور جمعدار کے مطبخ سے کھانا ملنے لگا۔

ص ۱۳۵ پر جہاز کے سفر کی تفصیل کے ضمن میں طوفان کا ذکر ہے جس میں سترہ (۱۷) دنوں تک مسافروں کو سخت پریشانی کا سامنا رہا۔

پورٹ بلیر انڈمان پہنچنے کے بعد مولوی احمد اللہ ؒ سے ملاقات کا تذکرہ خوبصورت انداز میں کیا ہے:

''یہ پورے چار برس کے بعد جو آپ سے ملازمت حاصل ہوئی، اس کی کیفیت تحریر کے لائق نہیں، آپ کو اس حالت میں دیکھنے کا غم اور قدم بوسی کی خوشی کچھ عجب دورنگی کیفیت تھی، میرے پاس ایسے الفاظ نہیں کہ جو ان کی تصویر کھینچ کر ہدیۂ ناظرین کرسکوں''۔

مصنف ؒ کو قید کے دوران جزیرے میں آفیسروں کے ساتھ خدمت گذاری اور اپنی تجارت کے سلسلے میں بعض غیر متوقع تجربہ ہوئے، کہیں آرام ملا اور کہیں تکلیف ہوئی، یہ چیز ایک مومن صادق کے لئے ایمان کی تقویت کا باعث اور خدا کی حکمت وکارسازی کی دلیل ہے، اسی کو واضح کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

''پس اے حضرات ناظرین! اس جگہ کی ایک بات لائق غور وفکر ہے، وہ یہ کہ جب میں راس آئیلینڈ سے ہڈو کو تبدیل ہوا باعث تندمزاجی مسٹر جارڈن صاحب اپاتھی کیری وہاں کے میں اپنی جان پر نہایت خائف وترساں تھا، اور اپنی اس تبدیلی سے نہایت ناخوش وتنگدل، حتی کہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا، اس وقت رب رحیم وکریم نے اس حاکم کو مہربان بنادیا، اور پھر جب ان کی تبدیلی ہوئی اور فلپ صاحب اپاتھی کیری آئے جو نہایت خوش خلق اور نیک مزاج تھے اور میں ان کے آنے سے نہایت خوش تھا، اس وقت اس مصرف القلوب نے ان کے دل کو ہماری طرف سے پھیر دیا اور ہم نے تکلیف اٹھائی۔ اسی طور سے میں نے باعتماد اس چار سو روپیہ کے جو پس ماندہ تھے سرکاری ملازمت کو چھوڑ کر دکانداری اختیار کی، اللہ تعالی نے اس روپیہ کو تلف کرادیا، پھر جب میں نہایت پریشانی، غم وہم کے گرداب میں مبتلا ہوا اس قادر مطلق نے محض اپنے فضل عمیم سے دستگیری کی اور ہزار ہا روپیہ بلا منت واحسان احد کے جمع کرادیا: فاعتبروا يا أولى الأبصار لعلكم تتقون۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ہرگز ہرگز اسباب وسامان ظاہری پر تکیہ اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے، اور ہر وقت وہمہ آن اس فعال مطلق پر توکل کرنا چاہئے، اور اس سے ڈرتے رہنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالی جس پر مہربان ہوتا ہے اس کے اسباب ظاہری کو منقطع کردیتا ہے تاکہ

اس کے دل کو علاقہ مع اللہ وتوکل علی اللہ پیدا ہو، اور جس سے خداوند کریم ناراض ہوتا ہے، اس کو اسی سامان ظاہری میں ڈھیل دے کر غافل کر دیتا ہے حتی کہ وہ کہنے لگتا ہے (انما أوتيته على علم) نعوذ بالله منها"۔

مصنف نے قید میں ایک طویل مدت گزاری، رہائی کے بعد وطن پہنچے، تو وہاں کا نقشہ بدلا ہوا پایا، انگریزی حکومت نے ان کے گھروں اور خاندانی مقبرہ کو منہدم کر کے وہاں بازار اور میونسپلٹی کی عمارتیں تعمیر کر دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ ماحول ومعاشرہ اور افکار وخیالات میں بھی انہیں زبردست تبدیلی کا احساس ہوا اور اس سے ان کو تکلیف پہنچی، اس تبدیلی پر اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے:

''یہ ساڑھے تین مہینے کم پورے بیس برس پر میں اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ رنگ ڈھنگ چال چلن لباس و پوشاک وکل طرز معاشرت تمام شہر کا بدلا ہوا ہے، جو لوگ اس وقت میں عمر رسیدہ تھے وہ تو پیوند زمین ہو گئے، اور جو لڑکے تھے وہ بوڑھے ہو گئے، اور جو ملک عدم میں تھے وہ لباس ہستی پہن کر جوان ہو گئے، اور ایک نئی روشنی اور نئے اعتقادات اور نئے خیالات کے لوگ ہر جگہ پائے جاتے ہیں، اس وقت بے اختیار حضرت عزیر علیہ السلام کا قول جو بیت المقدس کو ویران دیکھ کر آپ نے فرمایا ہے اور اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں اس کو حکایۃً نقل کیا ہے، یاد آ گیا، وہ یہ ہے: (قال أنى يحيى هذه الله بعد موتها)''

مصنف ؒ نے رمضان ۱۳۰۱ھ میں حج کا سفر کیا، اس راہ کی تفصیل دلچسپ انداز میں ذکر کی ہے، جن اشخاص سے ان کو واسطہ پڑا ان کے اخلاق وبرتاؤ کی تصویر کشی کی ہے، راہ کی مشکلات اور سفر کی مدت وغیرہ کو تفصیل سے لکھا ہے، اس سال حجاج کی تعداد تخمینا نو لاکھ بتائی ہے، مدینہ کے سفر میں ایک ہزار بدوؤں سے جو تلوار بندوق سے لیس ہو کر قافلہ کو لٹنے آئے تھے، سابقہ کا ذکر کیا اور ان سے چھٹکارے کی کیفیت ذکر کی۔ ۱۳۱۰ھ میں مصنف ؒ نے دوسرا سفر حج کا کیا، اس سلسلہ کی بھی ضروری تفصیلات بیان کیں، اور ذکر کیا کہ یکم ربیع الاول ۱۳۱۱ھ کو پٹنہ واپسی ہوئی۔ اس سفر میں مصنف ؒ کا ارادہ تھا کہ مکہ مکرمہ میں ایک سال قیام کر کے والدین کی طرف سے حج کے بعد واپس ہوں گے، لیکن بہن کی بیماری کے باعث انہیں ارادہ فسخ کر کے واپس لوٹنا پڑا۔

(جاری)

☆☆☆

رمضان المبارک کے فضائل واحکام

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ

مہینہ کی ابتدااورانتہامیں رویت ہلال کا اعتبار

رمضان کامہینہ ہویاکوئی دوسرامہینہ، سال کے تمام مہینوں کی ابتدااورانتہامیں نیاچاند نکلنےاوردیکھے جانے کا اعتبار ہے ،جنتری اورکلنڈراورفلکی حساب کاقطعااعتبارنہیں ہے،ارشادنبوی ہے:" صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته " . (صحیحین)

رویت ہلال کی شہادت

رمضان کے چاندکی رویت کےثبوت کے لئے ایک معتبرمسلمان کی گواہی کافی ہے۔

عن ابن عباسؓ قال : جاء أعرابی الی النبی ﷺ فقال : انی رأيت الهلال يعنی هلال رمضان ، فقال أتشهد أن لا اله الا الله ؟ قـال ، نعـم . قـال : فقـال : يـا بلال ! اذن فی الناس : صوموا غدا . (سنن اربعه)

عن ابن عمرؓ قالؔ تراء ی الناس الهلال : فاخبرت رسول الله ﷺ أنی رأيته ، فصام وأمر الناس بصيامه . (سنن اربعه)

علامہ شوکانی ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں: الحديثان يدلان على أنها تقبل شهادة الواحد فی دخول رمضان . (نيل الاوطار)

عیدالفطراورذی الحجہ کےمہینوں کی ابتداکے لئے دومعتبرمسلمان مردوں یاایک مسلمان مرداوردوعورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر يوم من شهر رمضان فقدم أعرابيان فشهدا عند النبی ﷺ بالله لإهلال الهلال امس عشية . فأمر رسول الله ﷺ الناس ان يفطروا ، وزاد فی رواية " وان يغدوا الی المصلی " (مسند احمد ، ابو داؤد)

عن أبی مالك الأشجعی نا حسين بن حارث الجدلی أن أمير مكة خطب ثم قال عهد إلينا رسول الله ﷺ ان ننسك للرؤية ، فان لم نره وشهد شاهدا عدل نسكنا بشهادتهما الخ ۔ (ابو داود)

قال النووی : لا تجوز شهادة عدل واحد على هلال شوال عند جميع العلماء إلا أبا ثور .

دوسرے مقام کی رویت کی خبر کا حکم

کسی مقام میں رمضان یا شوال کا چاند دیکھا گیا تو اس مقام رویت سے دور مشرق میں واقع دوسرے مقام والوں کے لئے ان کی رویت اس وقت معتبر ہوگی جبکہ ان دوسرے مقامات کے مطالع، مقام رویت کے مطلع سے مختلف نہ ہو، موضع رویت سے دور مشرق میں واقع بلاد وامصار کے حق میں مغربی مقام کی رویت کے اعتبار وعدم اعتبار کے معاملہ میں اتحاد واختلاف مطالع کا لحاظ ضروری ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ میں شام (جو مدینہ سے شمال مغرب میں واقع ہے) کی رویت کا اعتبار بظاہر اس لئے نہیں کیا تھا کہ مدینہ کا مطلع شام کے مطلع سے مختلف ہے " لکل اهل بلد رؤيتهم " یہ نہ تو حدیث مرفوع ہے نہ کسی صحابی کا قول، بلکہ کسی فقیہ کا قول ہے، اس لئے حدیث مذکور کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں۔

بعض علماء فلکیات کا کہنا ہے کہ مطلع پانچ سو میل کے قریب کی مسافت پر مختلف ہو جاتا ہے، بنابریں ہندوستان کے کسی مغربی مقام کی رویت اس کے مشرقی حصہ مثلا مشرقی بہار وبنگال کے حق میں معتبر نہ ہوگی۔

تار، ٹیلی فون، خط اور ریڈیو کے ذریعہ چاند کی خبر کا حکم

تار، لاسلکی (وائرلیس) ٹیلی فون، خطوط، ریڈیو، بلاشبہ خبر رسانی کے ذرائع ہیں اور دنیا ان پر اعتماد کرتی ہے، لیکن ان کا معاملہ شک وشبہ سے خالی نہیں ہوتا، اس لئے ایک خالص دینی وشرعی معاملہ اور مسئلہ میں ان ذرائع سے آئی ہوئی خبر ورویت پر مطلقا اعتماد اور ان کے اعتبار کا حکم لگانا درست نہیں ہے، تار، ٹیلی فون، اور خط کی خبر صرف اس وقت معتبر ہوگی جبکہ خاص انتظام کے تحت متعدد مقامات رویت سے متعدد تار یا ٹیلی فون یا خطوط آئیں، اور جن کو ٹیلی فون کیا گیا ہو یا خطوط لکھے گئے ہوں وہ لوگ ان ٹیلی فون کرنے والوں کی آوازیں اور خط لکھنے والوں کے رسم خط کو پہچانتے ہوں، جن کی بناء پر مستند علماء کو ان خبروں کی صحت کا ظن غالب حاصل ہو جائے۔

ریڈیو کی خبر کے معاملہ میں حسب ذیل امور پر نظر رکھنی ضروری ہے۔

۱- ریڈیو کی اجمالی خبر کہ فلاں شہر یا فلاں مقام میں چاند دیکھا گیا، کل روزہ رکھا جائے گا یا عید منائی جائے گی، مطلقا قابل قبول نہیں ہے اور اس طرح کی خبر پر صوم یا افطار درست نہیں ہے، اسی طرح ایک مقام کی خبر کے بارے میں مختلف شہروں کے ریڈیو اسٹیشنوں کا اعلان بھی قابل قبول نہیں ہے۔

۲- ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان خبر ہے، شہادت اصطلاحی نہیں ہے اس لئے اس میں شہادت مصطلحہ کے شرائط اور قیود کا لحاظ واعتبار نہیں ہوگا۔

۳- ریڈیو کے جس اعلان پرصوم یا افطار کا حکم دیا جائے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تفصیلی ہو اور ذمہ دار علماء کی جماعت کی طرف سے ہو یا کم از کم اس جماعت کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انہوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے ہے، مثلاً کوئی متدین مسلمان ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کی فلاں ذمہ دار رویت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت یا امیر شریعت یا مفتی (بتصریح نام قاضی یا امیر یا مفتی یا ارکان کمیٹی یا علماء) نے شرعی ثبوت کے بعد یہ اعلان کرایا ہے، اس طرح کی صراحت وتفصیل کے ساتھ اعلان پرصوم اور افطار یعنی عید منانا درست ہوگا۔ ایسا اعلان اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ رویت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء، یا قاضی شریعت یا امیر شریعت یا مفتی کا ریڈیو کے محکمہ کے ذمہ داروں سے باقاعدہ رابطہ قائم ہو۔

ریڈیو پر اعلان کرنے والا اگر کوئی متدین مسلمان نہ ہو بلکہ ریڈیو کا غیر مسلم ملازم ہو اور وہ کسی ذمہ دار رویت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت (بتصریح نام) کے فیصلہ کا اعلان بتفصیل بالا کرے تو یہ خبر بھی قابل وتسلیم وقبول ہوگی اور اس پر اعتماد کرکے صوم اور افطار کا حکم درست ہوگا جس طرح توپ، نقارہ کی آواز اور ڈھنڈھورچی کے اعلان پر فقہاء نے صوم اور افطار صوم جائز قرار دیا ہے، مگر واضح رہے کہ ریڈیو کی خبر سن کر ہر شخص کو بطور خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ مشتہرہ خبر کی شرعی حیثیت کو نہیں سمجھ سکے گا، اس لئے سننے والوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس معاملہ میں بھی اپنے یہاں کے ذمہ دار علماء کی طرف رجوع کریں، اور ان کے فیصلہ پر عمل کریں، یہ مسئلہ اور معاملہ شرعاً انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔

۴- ریڈیو سے بصورت مذکورہ نمبر۳ جس مقام کی رویت کا اعلان ہو اس مقام رویت سے دور مشرق میں واقع انہیں مقامات میں اس رویت کا اعتبار اور اس پر عمل ہوگا جن کے مطالع مقام رویت کے مطلع سے مختلف نہ ہوں بلکہ ایک ہوں یعنی ان کے یہاں کے افق پر بھی اسی شب میں چاند طلوع ہوتا ہو مگر ابر یا گرد وغبار یا کسی اور وجہ سے نظر نہ آیا ہو۔

۵-صوم، افطار، عید قربان، حج وغیرہ خالص دینی وشرعی مسائل ہیں ان کو دنیاوی معاملات، سیاسی خبروں یا عام خبروں اور غیر اسلامی حکومتوں کے کاروبار پر قیاس کرنا قطعاً غلط بات ہے، حکومتیں اپنے مفاد کے لئے اپنے اپنے ریڈیو اسٹیشنوں سے جس قسم کے غلط اور صحیح پروپیگنڈے کا کام لیتی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، ایسی حالت میں صوم وافطار صوم وغیرہ دینی معاملات میں ریڈیو کی خبر واعلان کا اعتبار کے لئے نمبر۳ میں مذکورہ ومبینہ قیود وحدود کا اعتبار ولحاظ ضروری ہے۔

مشکوک دن میں روزے کا حکم

شعبان کی تیسویں رات کو غبار یا بادل کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو اور چاند دکھائی نہ دے، اور نہ دوسرے مقام سے چاند دیکھے جانے کی معتبر اطلاع آئے تو وہ رات شعبان کی ہوگی اور اس سے اگلا دن شعبان کا سمجھا جائے گا اور اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا، فرمایا: " فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین " (صحیحین) پس غبار یا ابر کی وجہ سے چاند نہ دیکھنے کی

صورت میں یہ خیال کر کے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں سے چاند کی خبر آ گئی تو یہ روزہ رمضان کا ہو جائے گا ورنہ نفل ہوگا غلط اور باطل ہے، عمار بن یاسرؓ صحابی فرماتے ہیں جس نے شک کے دن میں روزہ رکھا اس نے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کی۔(ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

حاصل یہ ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ مشکوک ہو تو اس میں روزہ نہ رکھا جائے اور اس کو رمضان میں نہ شمار کیا جائے، چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر بھی شک نہیں کرنا چاہئے بلکہ جس روز چاند دیکھا گیا ہے اسی دن کا سمجھنا چاہئے اسی طرح رمضان کے استقبال میں چاند دیکھنے سے پہلے ایک یا دو روزے رکھنا ناجائز ہے، آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے ہاں اگر کسی اور دنوں میں نفلی روزہ رکھنے کی عادت تھی اتفاقاً نہ رکھ سکا یا کسی شخص کی ہر آخر ماہ میں نفلی روزے رکھنے کی عادت ہے تو ایسی صورت میں اجازت ہے کہ وہ آخری تاریخوں میں روزے رکھ لے۔

روزہ کی نیت کا حکم

ہر عبادت کی صحت کے لئے نیت شرعی شرط ہے، پس روزہ کی صحت بھی نیت شرعی کے ساتھ مشروط ہے خواہ روزہ نفلی ہو یا فرضی رمضان کا ہو یا نذر کا، ادا ہو یا قضا، اور نفلی روزہ کے علاوہ ہر قسم کے روزے کے لئے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے نیت کر لینا ضروری ہے بخلاف نفلی روزے کے کہ اگر آفتاب ڈھلنے سے پہلے بھی نیت کر لی تو روزہ صحیح ہو جائے گا، والیہ ذھب الشافعی واحمد واسحاق وھو الراجح عند شیخنا کما صرح بہ فی شرح الترمذی : من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ . (ترمذی وغیرہ)

جس نے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، صحیح اور راجح اس حدیث کا مرفوع ہونا ہے کما حققہ الشوکانی فی النیل وابن حزم فی المحلی یہ حدیث فرض اور نفلی ہر قسم کے روزوں کو شامل ہے مگر نفلی روزہ اس حدیث کے حکم سے مستثنی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کان النبی ﷺ یاتینی ویقول أعندك غداء فاقول لا فیقول انی صائم وفی روایة انی اذا لصائم ، یعنی حضرت میرے پاس آتے اور پوچھتے کیا صبح کا کھانا ہے؟ میں عرض کرتی نہیں آپ فرماتے میں روزہ رکھوں گا۔

واما ما روی عن سلمة بن الاکوع ان رسول الله ﷺ أمر رجلا من أسلم ان اذن فی الناس اذ فرض صوم عاشوراء الاکل من اکل فلیمسك ومن لم یاکل فلیصم اخرجه البخاری وغیره فاجیب عنه بانه انما صحت النیة فی النهار لان الظاهران صوم عاشوراء أنزلت فرضیته فی النهار فصار الرجوع الی اللیل غیر مقدور والنزاع فیما کان مقدورا فیخص الجواز بمثل هذه الصورة اعنی من ظهر له وجوب الصیام علیه من

النهار فتامل ۔

ہر روزہ کے لئے نیت ضروری ہے صرف پہلی رات کی نیت تمام روزوں کے لئے کافی نہیں ہوگی، اور نیت زبان سے لفظوں میں کہنے کی ضرورت نہیں ہے دل میں نیت کر لینا کافی ہے۔

بیمار، مسافر، حاملہ، مرضعہ کے لئے شرعی رخصت

اگر مسافر، بیمار، حاملہ کو روزہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہو اور دودھ پلانے والی عورت کے دودھ خشک ہونے کا خوف ہو تو ان لوگوں کے لئے شریعت کی طرف سے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں بلکہ مسافر کے لئے اس صورت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے، فمن کان منکم مریضا اور علی سفر فعدة من ایام اخر ، بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ہے کہ روزے نہ رکھیں لیکن اس کے بعد ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا دینی ہوگی، ان الله وضع عن المسافر شطر الصلوة والصوم عن المسافر وعن المرضع والحبلی (ابو داود ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجه) اللہ نے مسافر کو قصر کی اجازت دی ہے اور مسافر، حاملہ، مرضعہ کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دے دی ہے۔

اگر سفر میں تکلیف نہ ہو اور بیماری، حمل، دودھ پلانے کی حالتوں میں روزہ رکھنے سے ضرر اور مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اور جس طرح مسافر یا بیمار کو قضا دینی ہوتی ہے، اسی طرح حاملہ کو وضع حمل کے بعد جب روزہ رکھنے کی طاقت ہو اور مرضعہ کو جب دودھ خشک ہونے کا خوف جاتا رہے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا دینی چاہئے، قال شیخنا رحمه الله فی شرح الترمذی الظاهر انهما (الحامل والمرضعة) فی حکم المریض فیلزمهما القضاء ۔

میت کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء

اگر مریض کو رمضان کے بعد صحت ہوگئی، یا مرض میں اتنی تخفیف ہوگئی کہ روزہ رکھ سکے، لیکن اس نے قضا نہیں رکھی پھر بیمار ہو کر مر گیا، یا مسافر کو سفر ختم ہو جانے کے بعد روزہ کی قضا کا موقع ملا لیکن اس نے قضا نہیں رکھی اور قضاء سے پہلے کسی بیماری یا حادثہ میں انتقال کر گیا تو ان دونوں کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا ان کے اولیاء کے ذمہ ضروری ہے، ارشاد ہے:

من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه (صحیحین) چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ دینے کے بارے میں جو روایت ذکر کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اگر رمضان کے بعد مریض کی بیماری یا مسافر کا سفر قائم رہا اور ان کو قضا کا موقع نہیں ملا اور اسی بیماری یا اسی سفر میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے اولیاء کے ذمہ ان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا نہیں ہے، اور نہ فدیہ ہی ہے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: من مات وعلیه صیام من رمضان لم یخل من حالین : احدهما ان یموت قبل امکان الصیام اما لضیق الوقت او لعذر من مرض او سفر او عجز عن الصوم فهذا لا شئ علیه فی قول اکثر اهل

العلم ...... لانه حق لله تعالى وجب بالشرع مات من يجب عليه قبل امكان فعله فسقط الى غير بدل كالحج .... الحال الثانى ان يموت بعد امكان القضاء فالواجب ان يطعم عنه لكل يوم مسكين ، وهذا قول اكثر اهل العلم ، وقال ابو ثور يصام عنه وهو قول الشافعى لما روت عائشة ان النبى ﷺ قال من مات وعليه صيام صام عنه وليه متفق عليه (المغنى ج ٣ ص ١٤٢ ، ١٤٣) **اور لکھتے ہیں** لو تركه لمرض اتصل به الموت لم يجب عليه شئ (المغنى ج ٣ ص ١٤١) **اور امام نووی لکھتے ہیں**: من فاته صوم يوم من رمضان ومات قبل قضاء ه فله حالان : احدهما ان يموت بعد تمكنه من القضاء سواء ترك الاداء بعذر ام بغيره فلا بد من تداركه بعد موته ..... الحال الثانى ان يكون موته قبل التمكن من القضاء بان لا يزال مريضا او مسافرا من شوال حتى يموت فلا شئ فى تركته ولا على ورثته روضة الطالبين جلد ٢ ص ٣٨١ ، ٣٨٢) **اور امام بیہقی سنن کبری ج۴ص۲۵۳ میں لکھتے ہیں** : باب المريض يفطر ثم لم يصح حتى مات فلا يكون عليه شئ روى ذلك عن ابن عباس ، وقال رسول الله ﷺ اذا امرتكم بامر فاتوا منه ما استطعتم .

بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لئے شرعی رخصت

وہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں یا روزہ رکھنے کی صورت میں انتہائی کمزوری ہو جانے کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو تو ان کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، آیت:

وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين **کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں**: هى للشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما فيطعمان مكان كل يوم مسكينا ، (بخارى)

صدقہ فطر

روزہ دار مجسم نیکی ہوتا ہے اس کا جسم انسانی ہوتا ہے مگر روح فرشتوں کی زندگی گزارتی ہے نہ تو وہ غیبت کرتا ہے نہ جہالت کے کام کرتا ہے مگر پھر بھی وہ معصوم نہیں ہے اس سے غلطی اور لغزش ہو سکتی ہے، گناہ اور برائی میں مبتلا ہو سکتا ہے، زبان سے بیہودہ اور لغو باتیں نکل آتی ہیں، ظاہر ہے ایسی حالت میں روزہ ان عیوب اور نقصانات سے منزہ اور پاک نہیں رہے گا، اسی لئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہمارے روزوں کو ان نقصانات سے پاک صاف اور مقبول ہونے کے لئے ایک نہایت سہل صورت بتائی ہے جس کو اصطلاح شرع میں صدقۃ الفطر کہتے ہیں اور جو دیگر فرائض کی طرح ایک فریضہ ہے۔

صوم شهر رمضان معلق بين السماء والارض ولا يرفع الا بزكوة الفطر (ترغيب ترهيب) **رمضان کے** روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور جب تک صدقۃ الفطر نہ ادا کیا جائے، مقبول نہیں ہوتے۔

عن ابن عباس قال فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث ، الحدیث (ابو داود ، ابن ماجة)

رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ الفطر فرض کیا ہے روزہ دار کے روزے کو لغو اور فحش گوئی سے پاک اور صاف کرنے کے لئے۔

صدقہ فطر کس پر فرض ہے

صدقہ فطر کی فرضیت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے پاس زکوۃ کا نصاب ہو بلکہ جس طرح ایک دولتمند پر فرض ہے اسی طرح اس غریب پر بھی فرض ہے، جس کے پاس عید کے دن اپنی اور اپنی اہل وعیال کی خوراک سے زائد اس قدر موجود ہو کہ ہر ایک کی طرف سے ایک صاع غلہ دے سکے، بلکہ غرباء کو دوسروں کے دیئے ہوئے غلہ سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: اما غنیکم فیزکیه الله واما فقیرکم فیرد الله اکثر مما اعطی (احمد ، أبو داود) صدقہ فطر کے ذریعہ اللہ غنی کو پاک صاف کرتا ہے اور غریب کو اس کے ساتھ جتنا اس نے دیا اس سے زیادہ واپس لوٹاتا ہے۔

معلوم ہوا صدقہ فطر امیر غریب مستطیع غیر مستطیع سب پر فرض ہے، ونیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر من رمضان صاعا من تمر اور صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین (صحیحین) آنحضرت ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو ،غلام، آزاد ،مرد، عورت، نابالغ، بالغ مسلمان پر فرض کر دیا ہے مگر بیوی بچوں غلاموں کا صدقہ فطر مالک اور صاحب خانہ کو دینا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امر رسول الله ﷺ بصدقة الفطر عن الصغیر والکبیر والحر والعبد ممن تعولون (دارقطنی) یعنی بالغ، نابالغ، آزاد، غلام کے نفقہ اور خرچ کا جو ذمہ دار ہو اس کو ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

اگر بیوی بچے مکان پر نہ ہوں بلکہ سفر میں ہوں تو ان کا صدقہ فطر بھی ادا کرنا ہوگا ہاں اگر کسی نابالغ لڑکی سے نکاح کیا ہے اور عدم بلوغ کے باعث رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے والدین کے یہاں ہے تو اس کا صدقہ فطر اس کے باپ کو ادا کرنا ہوگا، اور وہ عورت جو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نافرمانی کر کے ماں باپ کے یہاں چلی گئی ہو تو اس کا صدقہ فطر اس کے شوہر پر فرض نہیں ہے۔

صدقہ فطر انہی لوگوں پر فرض نہیں ہے جن پر روزے فرض ہیں بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ مرد ہو یا عورت جیسا کہ صحیحین کی احادیث سے معلوم ہو چکا، آپ نے صدقہ فطر کو طعمۃ للمساکین (مساکین کی خوراک) فرمایا، پس

صدقہ فطر جس طرح روزہ دار کی فحش کلامی اور بیہودہ گوئی کو دور کرنے کی حیثیت سے فرض کیا گیا اسی طرح مساکین کی خوراک ہونے کی حیثیت سے بھی فرض کیا گیا ہے، پس جو شخص عید کی صبح کو مسلمان ہوجائے یا جو بچہ عید کی صبح کو پیدا ہوجائے اس پر صدقہ فطر فرض ہے۔

صدقہ فطر کس قدر اور کن چیزوں سے دینا چاہئے

صدقہ فطر اس غلہ سے دینا چاہئے جو عام طور پر وہاں کے لوگوں کی خوراک ہو اگر عام طور پر چاول کھایا جاتا ہے تو چاول دینا چاہئے وقس علی ھذا۔ اور بغیر فرق وامتیاز کے ہر جنس سے ایک صاع حجازی دینا چاہئے (وھو الاحوط عند شیخنا کما صرح به فی شرح الترمذی) لیکن وہ جنس گھٹیا نہیں ہونی چاہئے، صاع حجازی یعنی صاع نبوی کی تول انگریزی سیر سے مختلف غلوں کی مختلف ہوتی ہے، اس لئے تعیین نہیں کی جاسکتی پس جن لوگوں نے مطلقا تین سیر یا چار سیر یا پونے تین سیر یا سوا دو سیر لکھا ہے، صحیح نہیں ہے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کھجور ، جو، پنیر، منقی سے ایک صاع فی کس صدقہ فطر ادا کیا جائے لیکن گیہوں میں اختلاف ہے کہ ایک صاع دینا چاہئے یا نصف صاع، گیہوں سے صدقہ فطر دینے کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں ہے ، کما صرح به الحافظ والشوکانی والزیلعی وغیرھم ۔ ہاں اکثر صحابہ گیہوں سے نصف صاع دیئے جانے کے قائل تھے، اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابوسعید خدریؓ تمام اجناس سے ایک صاع دینے کے قائل تھے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ میں گیہوں تقریبا تھی ہی نہیں اور جب فتوحات اسلامی کا سلسلہ وسیع ہوا اور گیہوں مختلف مقامات سے آنے لگی یا صحابہ کا ایسے مقامات میں گذر ہوا جہاں گیہوں ہوتی تھی لیکن اور اجناس کے مقابلہ میں گراں تھی تو صحابہؓ نے گیہوں کو گراں سمجھ کر قیمت کا خیال کر کے نصف صاع کافی سمجھا اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ گیہوں سے نصف صاع کے قائل تھے انہوں نے قیمت کا لحاظ کیا اور حضرت ابن عمرؓ اور ابوسعید خدریؓ نے قیمت کا لحاظ نہیں کیا بلکہ صاع کی مقدار کا لحاظ کر کے بلا فرق وامتیاز ہر جنس سے ایک صاع ضروری سمجھا وبه قال مالك الشافعی واحمد واسحاق وھو الاحوط عند شیخنا ۔ ہندوستان میں گیہوں کھجور سے سستی ہے پس ہر شخص کو گیہوں سے بھی ایک صاع دینا چاہئے ہاں اگر کسی کو ایک صاع دینے پر قدرت نہیں ہے تو نصف صاع دے دے۔

صدقہ فطر میں کیا قیمت یعنی نقد پیسہ دینا جائز ہے

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے صدقۃ الفطر میں قیمت دینا ثابت نہیں ۔ اس لئے بغیر عذر کے قیمت نہیں دینی چاہئے، بلکہ عام طور پر کھائے جانے والے غلہ ہی سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے، البتہ اگر حسب ضرورت غلہ نہ مل سکے تو بازار کے عام نرخ کے مطابق فطرہ میں قیمت نکالی جاسکتی ہے، صاحب حدائق الازہار کے قول: وانما تجزئ القیمة للعذر ، کی

شرح میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں: اقول هذا صحيح لان ظاهر الاحاديث الواردة لتعيين قدر الفطرة من الاطعمة أن اخراج ذلك مما سماه النبى ﷺ متعين ، واذا عرض مانع من اخراج العين كانت القيمة مجزئة لان ذلك هو الذى يمكن من عليه الفطرة ولا يجب عليه ما لا يدخل تحت امكانه (السيل الجرار ج ٢ ص ٨٦ طبع القاهرة)

عورتوں کا عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ جانا

عورتوں کا عیدگاہ میں عید کی نماز کے لئے جانا سنت ہے۔شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، جوان ہوں یا ادھیڑ یا بوڑھی۔

عن ام عطية ان رسول الله ﷺ كان يخرج الابكار والعواتق وذوات الخدور والحيض فى العيدين فاما الحيض فيعتزلن المصلى ويشهدن دعوة المسلمين قالت احداهن يا رسول الله ان لم يكن لها جلباب قال فلتعرها اختها من جلبابها (صحيحين وغيره)

آنحضرت ﷺ عیدین میں دوشیزہ جوان کنوری حیض والی عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دیتے تھے حیض والی عورتیں جائے نماز سے الگ رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک رہتیں ایک عورت نے عرض کیا اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہوتو؟ آپ نے فرمایا اس کی مسلمان بہن اپنی چادر میں لے جائے۔

جو لوگ کراہت کے قائل ہیں یا جوان اور بوڑھی کے درمیان فرق کرتے ہیں درحقیقت وہ صحیح صریح حدیث کو اپنی فاسد اور باطل رایوں سے رد کرتے ہیں۔

حافظ نے فتح الباری میں اور ابن حزم نے اپنی محلی میں بالتفصیل مخالفین کے جوابات ذکر کئے ہیں، ہاں عورتوں کو عیدگاہ میں سخت پردہ کے ساتھ بغیر کسی قسم کی خوشبو لگائے اور بغیر بجنے والے زیوروں اور زینت کے لباس کے جانا چاہئے تاکہ فتنہ کا باعث نہ بنیں۔

عید کی نماز صحرا یعنی کھلے ہوئے میدان میں پڑھنی چاہئے

عید کی نماز قصبہ یا شہر یا گاؤں سے باہر صحرا یعنی کھلے ہوئے میدان میں ادا کرنی سنت ہے اور بغیر عذر کے مسجد میں یا چہار دیواری گھیر کر مسجد کی صورت بنا کر احاطہ میں ادا کرنا خلاف سنت ہے۔

آنحضور ﷺ کا مصلی (عیدگاہ) صحرا میں تھا جس کو جبانہ کہتے ہیں آپ نے صرف ایک دفعہ بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد نبوی میں عید کی نماز پڑھی تھی اور مسجد نبوی کے اشرف مواضع اور افضل بقاع ہونے بلکہ اس کے بعض حصہ کے روضۃ من ریاض الجنۃ ہونے کے باوجود بغیر عذر کبھی اس میں نماز عید نہیں ادا فرمائی۔

☆☆☆

زکوٰۃ: اہمیت اور مسائل

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيدنا محمد ، وعلى آله وأصحابه أجمعين ، وبعد :

فقد قال الله تعالى : ﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ، إِنَّ صَلوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ، وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (التوبۃ:۱۰۳)

(اے محمد ﷺ) آپ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے لیجئے جس سے آپ ان کو (رذائل سے) پاک کریں گے اور ان (کے مالوں) کی صفائی ہوگی اور آپ ان کے لئے رحمت کی دعا فرمایئے، بیشک آپ کا دعا فرمانا ان کے لئے باعث تسکین ہے، اور اللہ (ہر چیز کا) سننے اور جاننے والا ہے۔

زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے تیسرا رکن ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے حدیث جبریل میں مروی ہے، نیز آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بني الإسلام على خمس (۱) شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله (۲) وإقام الصلوة (۳) وإيتاء الزكوة (٤) وصوم رمضان (٥) وحج بيت الله لمن استطاع اليه سبيلا . (بخاری ومسلم)

یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے (۱) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کا روزہ رکھنا (۵) بیت اللہ کا حج کرنا اس کے لئے جس کو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو۔

زکوٰۃ کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کا تذکرہ ۳۰ جگہوں پر فرمایا ہے جن میں ۲۷ جگہ اس کا ذکر نماز کے ساتھ ہے اور صدقہ وصدقات کے لفظ کے ساتھ ۱۲ جگہ ذکر ہے۔

ان کے علاوہ اشاروں وکنایوں میں بھی بہت سی جگہ مذکور ہے۔

مثلاً سورہ معارج (۲۴-۲۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ، لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ یعنی (اللہ کے نیک بندے وہ لوگ ہیں) جن کے مالوں میں سائل ومحروم کے لئے ایک حق مقرر ہے۔

اور سورہ روم (آیت نمبر ۳۸) میں فرمایا: ﴿ فاتِ ذَا الْقُرْبیٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ﴾ (یعنی) پس قرابت دار کو، مسکین کو اور مسافر کو ان کا حق دے دو، یہی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

زکوٰۃ کی فضیلت:

زکوٰۃ کی فضیلت قرآن مجید میں جابجا مذکور ہے، اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو تم جو زکوٰۃ دو گے اس سے تمہارے مالوں میں برکت ہوگی تم ایک دو گے ہم دس دیں گے، بلکہ اس سے زیادہ سات سو گنا تک دیتے ہیں، .... اس لئے اس میں بخل مناسب نہیں۔

ایک جگہ فرمایا: ﴿ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِّباً لِّيَرْبُوَا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلاَ يَرْبُوا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكوٰةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُم الْمُضْعِفُوْنَ ﴾ (الروم :۳۹)

اے لوگو! جو تم سود (پر مال) دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اللہ کی رضاجوئی کے لئے، تو یہی وہ لوگ ہیں جو (اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: " ما نقص مال من صدقة " (ترمذی) صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ نہ دینے پر وعید:

صحیح بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خیرات کو مت روک ورنہ تیرا رزق بھی روک دیا جائے گا، دوسری روایت عبدہ سے اسی مفہوم کی ہے کہ گننے نہ لگ جانا ورنہ اللہ بھی تجھے گن گن کر ہی دے گا۔

زکوٰۃ نہ دینا اور اس میں حیلہ کرنا اور یہ سمجھنا کہ یہ ہمارا مال ہے ہم جو چاہیں کریں یہ بات اور سوچ ایمان کے خلاف ہے، جس طرح نماز کے انکار کرنے پر انسان مسلمان نہیں رہ جاتا اسی طرح زکوٰۃ کا منکر بھی دائرۂ اسلام میں نہیں رہ جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ، الَّذِيْنَ لاَ يُؤْتُوْنَ الزَّكوٰةَ وَهُمْ بِالآخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ ﴾ (حم السجدة:۶-۷) اور ویل (جہنم) ہے ان مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔

غور فرمایئے! مانعین زکوٰۃ کو شرک وکفر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جس کو مال سے نوازا اور پھر اس نے زکوۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے یہ سانپ اس کے گلے کا طوق ہوگا، اور اس کے جبڑے کو پکڑ کر کہے گا میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ (آل عمران:۱۸۰) اور وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ ان کا بخل کرنا ان کے لئے بہتر ہے، نہیں یہ تو ان کے حق میں برا ہے عنقریب قیامت کے دن جو یہ بخل کرتے ہیں اسے ان کے گلے کا طوق بنادیا جائے گا۔

سورہ توبہ (آیت نمبر:۳۴-۳۵) میں فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ، يَّوْمَ يُحْمىٰ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ، هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴾ (اے محمد ﷺ) جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے، جس دن ایسے خزانہ کو جہنم کی آگ میں تپاکر ان کے پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا، اور کہا جائیگا کہ یہی تمہارا وہ خزانہ ہے جس کو تم نے اپنی ذات کے لئے جمع کرر کھا تھا تو آج اپنی دولت کا مزہ چکھو۔

زکوۃ کے نظام کی معنویت:

زکوۃ ایک مستقل اور مقرر حق ہے جس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ افراد پر ان کی مرضی کے مطابق چھوڑ دیا گیا ہو کہ وہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں دھتکار دیں، بلکہ یہ ایک اجتماعی نظم ہے جس کا انتظام باقاعدہ ایک نظام کے تحت ہونا چاہئے، اس کی واضح ترین دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس انتظام کے چلانے والوں کو " العاملین علیھا " کے نام سے یاد کیا ہے، اور زکوۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک عاملین کے مصرف کو متعین کر کے یہ واضح کردیا ہے کہ اس نظام کے اخراجات کو اسی زکوۃ کی رقم سے پورا کیا جائے گا۔ اور جس سورہ میں زکوۃ کے مصارف کا تذکرہ ہے اسی سورہ میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے: ﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ ''آپ ان کے مالوں میں سے زکوۃ لیجئے'' یعنی آپ ﷺ کو زکوۃ وصول کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان کو حکم دیا تھا: " فأعلمهم أن الله قد افترض

عليهم صدقة في أموالهم ، تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم ، فإن هم أطاعوك لذلك فخذ منهم و توق كرائم أموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب " کہ اے معاذ آپ ان کو بتائیے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لیکر ان کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی۔ پس اگر وہ آپ کی بات مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا اور ان کے چنیدہ مال سے پرہیز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا کیونکہ مظلوم شخص اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

احادیث کی کتابوں میں عاملین کا ذکر موجود ہے ان کو ساعی و مصدق (صدقہ وصول کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ مختلف صحابہ کرام کو مختلف قبیلوں کی طرف صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

ابو داؤد میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے ابو مسعود کو ساعی بنا کر بھیجا تھا، مسند احمد میں ہے کہ ابو جہم بن حذیفہ کو مصدق بنا کر بھیجا، ولید بن عقبہ کو بنی المصطلق کی طرف بھیجا، مہاجر بن ابی امیہ کو صنعاء کی طرف، زیاد بن لبید کو حضر موت کی طرف اور حضرت علی کو نجران کی طرف بھیجا تھا۔(رضی اللہ عنہم) آپ ان عاملین کو ہدایت جاری فرماتے اور لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے کی تلقین کرتے تھے۔

علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب جوامع السیر میں لکھا ہے کہ صدقات کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے کاتب حضرت زبیر بن العوام تھے، اگر وہ موجود نہ ہوتے تو جہم بن صامت یا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم لکھنے کی خدمت انجام دیتے۔

زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو صریح حکم تھا کہ آپ صاحبِ نصاب سے ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کیجئے، اور خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مانعین زکوٰۃ سے جو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں آپ کے پاس زکوٰۃ جمع کیا کرتے تھے، زکوٰۃ روکنے پر جہاد کیا تھا، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے زکوٰۃ قلم بند کی جاتی تھی، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت صراحت سے اعلان کیا کہ جو شخص اونٹ باندھنے کی رسی یا بکری کا بچہ بھی آنحضرت ﷺ کو دیا کرتا تھا اگر ہمیں نہیں دے گا تو اس سے جنگ کی جائیگی۔

زکوٰۃ کا مسئلہ جو اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق جسے چاہیں دیں، جسے چاہیں نہ دیں، یہ ایک عبادت ہے، یہ مال میں ایک حق ہے جس کی کچھ قیود و شرائط ہیں، کچھ حدود ہیں جن کے اندر رہ کر ہی آپ ہم اسے ادا کر سکتے ہیں، ان نفلی خیرات جیسا یہ مسئلہ نہیں جنہیں آپ کی مرضی اور چاہت کے مطابق چھوڑ دیا گیا ہے اور جن کی نیکی کا بدلہ آپ کی نیت اور خلوص پر منحصر ہے، اور جن میں افضل صدقہ وہ

ہے جسے آپ اور اللہ کے علاوہ کوئی نہ جانے۔

آپ غور فرمایئے! اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ آپ ان کے مالوں سے زکوۃ لیجئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ نہ دینے والوں سے جہاد کیا۔

مسند احمد، ابو داود، نسائی میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے: " من أعطاها مؤتجرا فله أجره ومن منعها فإنا آخذوها وشطر ماله غرمة من غرمات ربنا ، لا يحل لآل محمد منها شئ " یعنی (جو زکوۃ کو) ثواب کی نیت سے دے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا، اور جو نہیں دے گا تو میں اس کو وصول کروں گا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا آدھا مال بھی لے لوں گا، یہ ہمارے رب کی طرف سے تاوان ہے، (کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی ذات کے لئے لے رہا ہوں بلکہ) آل محمد ﷺ کے لئے ایسے مال کا ایک حبہ بھی حلال نہیں ہے۔

زکوۃ کے مصارف:

زکوۃ کا لینا سب کے لئے جائز نہیں ہے اس کے حقدار کون اور کیسے لوگ ہیں اور یہ کن مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے اس کی تفصیل بھی کتاب وسنت میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان فرما کر ہر کس وناکس کے لالچ وحرص کو بند کر دیا۔

سورہ توبہ آیت نمبر ۵۸ تا ۶۰ میں اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ، وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُوْلُه إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ، إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ . ﴾

(اے محمد ﷺ) (زکوۃ) صدقات (کی تقسیم) کے معاملہ میں کچھ لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کیونکہ اگر ان کو اس میں سے دیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر اس مال سے ان کو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہونے لگتے ہیں۔ کاش کہ وہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول دیں اس پر راضی ہو جائیں اور یہ کہیں کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے، عنقریب ہم کو اللہ اپنے فضل سے نوازے گا اور اس کے رسول بھی۔ ہم تو اللہ سے ہی امید لگائے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ صدقات (زکوۃ) (۱) فقیروں کے لئے ہے، (۲) مسکینوں کے لئے ہے، اور (۳) ان لوگوں کے لئے جو زکوۃ کی بابت کام کرتے ہیں، اور (۴) ان لوگوں کے لئے جن کے دل کو ڈھارس بندھائی ہو (یعنی نومسلم) اور (زکوۃ صرف کی جائے گی) (۵) گردن چھڑانے

میں، اور(۶) قرض دار کے (قرض ادا کرانے میں)، اور(۷) اللہ کے راستہ میں اور(۸) مسافر (کی مصیبت دور کرنے) کے لئے، یہ اللہ کی طرف سے باندھا ہوا فریضہ ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر فیصلہ میں) حکمت والا ہے۔

اسلام انسان کی رہنمائی کے لئے ایک جامع پیغام لے کر آیا ہے، اس کا مقصد معاشرہ کو ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کرنا ہے، وہ امیر اور غریب کی کھائی کو مٹانا چاہتا ہے اس لئے اسلام میں زکوٰۃ کوئی انفرادی معاملہ نہیں، بلکہ ایک منظم اور متعین نظام ہے اور صحابہ کرام کے دور کے حالات اس کے لئے واضح نمونہ ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہمارے لئے اسوہ ہونا چاہئے، جن کو اللہ کے نبی ﷺ نے یمن بھیجا تھا، آپ یمن میں ہی رہے، خلافت صدیقی کے بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آتا ہے تو خوش حالی کا بھی بول بالا ہوتا ہے، اس زمانہ میں حضرت معاذ نے زکوٰۃ کی ایک تہائی رقم یمن سے مدینہ حضرت عمر کے پاس بھیج دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ آپ کو ٹیکس وجزیہ کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں لوگوں کے فقراء پر لوٹادو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہاں کسی حقدار کو چھوڑ کر نہیں بھیجا ہے بلکہ سب کو بانٹنے کے بعد جو بچ گیا اسی کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے اولین حقدار وہیں کے لوگ ہیں جہاں کی زکوٰۃ ہے، ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تو دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس واقعہ سے واضح ہے۔

کیا مال زکوٰۃ اپنے رشتہ دار کو دے سکتے ہیں؟ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے: "باب الزكوٰة على الأقارب" اور اس میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: " له أجران : القرابة والصدقة " یعنی اس کو دوگنا ثواب ملے گا ایک ناطہ جوڑنے کا دوسرا صدقہ کا۔ (یہ آپ نے حضرت زینب کے حق میں فرمایا تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی تھی)

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے، رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " خير الصدقة ما كان عن ظهر غني وابدأ بمن تعول " (بخاری) بہترین صدقہ وہ ہے جس کے دینے کے بعد آدمی مالدار رہے، اور صدقہ پہلے انہیں دو جو تمہاری زیر پرورش ہوں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے عزیز، اقرباء اور جملہ متعلقین اگر وہ مستحق ہیں تو صدقہ، خیرات وزکوٰۃ میں سب سے پہلے ان ہی کا حق ہے، اس لئے ایسے صدقہ کرنے والوں کو دوگنے ثواب کی بشارت دی گئی ہے، چنانچہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ میں اپنے کھجور کے باغات کی وجہ سے سب سے زیادہ مالدار تھے اور بیرحاء

باغ جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے، ان کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ یعنی تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی محبوب شئی نہ خرچ کرو۔ یہ سن کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بیرحاء کا باغ سب سے زیادہ پیارا ہے اس لئے میں اسے اللہ تعالیٰ کے لئے خیرات کرتا ہوں اور میں اس کی نیکی اور ذخیرۂ آخرت ہونے کا امیدوار ہوں، آپ جہاں مناسب سمجھیں اسے استعمال کیجئے۔ (اللہ کے رسول ﷺ نے ابو طلحہ سے جو فرمایا وہ قابل غور ہے) آپ فرماتے ہیں: " بخ ذلك مال رابح ، ذلك مال رابح " خوب! یہ نفع دینے والا ہے۔ یہ تو بڑا ہی آمدنی والا مال ہے اور ابو طلحہ جو تم نے کہا میں نے سنا، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو دے ڈالو۔ ابو طلحہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کے لڑکوں کو دے دیا۔ (اس روایت کو بھی امام بخاری نے باب الزکوٰۃ علی الأقارب کے تحت ذکر کیا ہے)

رشتہ دار کو دینے میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس سے رزق میں کشادگی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا، رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے " من سره أن يبسط له رزقه وأو ينسا له في أثره فليصل رحمه " یعنی جو شخص اپنی روزی میں کشادگی چاہتا ہو یا عمر کی درازی چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاري : باب من أحب البسط في الرزق)

رشتہ دار کو دیتے وقت یہ واضح رہنا چاہئے کہ زکوۃ اپنے رشتہ داروں میں انہیں کو دے سکتے ہیں جن کی کفالت کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہے، مثلاً والدین، اولاد اور بیوی کو چھوڑ کر کوئی بھی رشتہ دار اگر زکوۃ کی مصارف کے ضمن میں آتے ہوں تو ان پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے بلکہ اگر احتیاج کے اعتبار سے رشتہ دار اور اجنبی برابر ہوں تو رشتہ دار کو دینا افضل ہے۔

نصاب کا حساب:

چونکہ مکہ مدینہ میں زیادہ تر رواج درہم کا تھا اس لئے جا بجا اسی کا ذکر ملتا ہے ویسے سونے کا نصاب بھی اللہ کے نبی ﷺ سے منقول ہے، بیس مثقال یا بیس دینار ہونے پر آدھا مثقال یا آدھا دینار زکوۃ ہے۔

ایک دینار یا مثقال کا وزن کیا تھا اس پر محققین مختلف رائے رکھتے ہیں، مگر سب سے قریبی اور معتمد راستہ یہ ہے کہ آج دنیا کے میوزیم میں پرانے زمانہ کے دینار موجود ہیں، عبد الملک بن مروان کا دینار بھی آج موجود ہے جو اسلامی

حکومت کا سب سے پہلا دینار ہے، اس کا وزن موجودہ وزن کے حساب سے ساڑھے چار گرام ہے، اس طریقہ سے بیس دینار کا وزن ۸۵ گرام ہوتا ہے اس لئے آج اگر کسی کے پاس ۸۵ گرام سونا ہو اور ایک سال کا وقفہ گذر چکا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کو اس میں ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

صحابہ کرام سے منقول ہے کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں ہر اس چیز میں زکوٰۃ نکالتے تھے، جس کو ہم کاروبار کی نیت سے رکھا کرتے تھے۔

ابو داؤد میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: " كان رسول الله ﷺ يأمرنا أن نخرج صدقة مما نعد للبيع " یعنی رسول اللہ ﷺ کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ان چیزوں میں سے زکوٰۃ دیں جن کو ہم بیچنے کی نیت سے رکھتے ہیں۔

قربان جایئے اس رسول امی پر جن کی زبان مبارک سے فصاحت و بلاغت کے موتی بکھرا کرتے تھے، غور فرمایئے مما نعد للبيع میں ہر وہ چیز داخل ہے جو انسان نفع کی غرض سے رکھتا ہے کہ وقت آنے پر اچھی قیمت میں فروخت ہوگا، اس میں اشیاء کی تفصیل نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے، ہر ذی عقل انسان جس کے دل میں ایمان ہے، اس کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے اور خود فیصلہ کر سکتا ہے۔

آج انسان اپنی پونجی اور سرمایہ کو مختلف طریقوں سے مختلف چیزوں میں لگا رہا ہے، اصل نیت کیا ہے یہ انسان اور اس کا خالق جانتا ہے کہ انسان نے اپنی نجی ضرورت کے لئے خریدا ہے یا کاروبار و نفع کی نیت سے، یہ اللہ سے مخفی نہیں، اور قیامت کے دن انسان اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوگا اور براہ راست حساب و کتاب دینا ہوگا۔

اس لئے ہر انسان کو اپنا محاسبہ کر کے اس پر جو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، اسلامی طریقہ کے مطابق حقدار تک پہونچانا چاہئے، اور حیلہ و بہانہ بنا کر اپنے مال کے ساتھ مخلوط نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ حق اللہ تعالی کی طرف سے عائد کردہ ہے، اگر اس نے زکوٰۃ کی رقم نہ دی، اپنے سرمایہ اور دولت سے الگ نہ کیا یا مکمل نہ دی کچھ دے کر لوگوں سے جھوٹ بول دیا کہ ختم ہو گیا تو اس کو غور کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے مال کے ساتھ باقی ہے اور وہ خود اس میں سے کھا رہا ہے، جو اس پر حرام ہے، اور قیامت کے دن اللہ رب العالمین کے سامنے جو دل کے بھید سے واقف ہے اور جو ذرہ ذرہ کا حساب چکائے گا، کیا جواب دے گا۔

اللہ تعالی ہم سب کو حلال رزق عطا فرمائے اور اسلامی اصولوں پر کاربند ہونے کی توفیق بخشے اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائے، آمین۔

آگے زکوۃ کے نصاب کا مختصر حساب بیان کیا جاتا ہے، امید ہے کہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہوگا۔

(۱) چاندی: اس کا نصاب پانچ اوقیہ ہے، اور سال گذرنا شرط ہے۔

اوقیہ: ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا، پانچ اوقیہ برابر دو سو درہم ہوا۔ ONCIA یونان کی ایجاد ہے جو ایک خاص وزن کا نام تھا، جب رومی مصر پر قابض ہوئے تو وہاں اس کا رواج ہوا، پھر مصر وشام کے راستہ عرب کے تجار مکہ اور مدینہ لائے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہ معروف تھا، حدیث کی کتابوں میں ازواج مطہرات کی مہر ساڑھے بارہ اوقیہ بتائی گئی ہے یعنی ۵/۱۲×۴۰=۵۰۰ درہم۔

ایک درہم کا وزن ۹۷۵/۲ گرام بتایا گیا ہے اس طرح ایک اوقیہ کا وزن=۹۷۵/۲×۴۰=۱۱۹ گرام ہوا۔ اس لئے چاندی کا نصاب (۱۱۹ × ۵ =) ۵۹۵ گرام چاندی ہے۔

اگر کسی کے پاس ۵۹۵ گرام یا اس سے زیادہ خالص چاندی ہو اور سال گزر چکا ہو تو اس پر ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکوۃ ہے۔

مثلاً اگر خالص چاندی کا دام بازار میں:-/۸۰۰۰ روپیہ کیلو ہے تو ۵۹۵ گرام چاندی کا دام بحساب ایک گرام برابر -/۸×۵۹۵=-/۴۷۶۰ روپیہ ہوا، اور اس پر ڈھائی فیصد یعنی -/۱۱۹ روپیہ زکوۃ کی رقم ہوئی۔

اور یہی مذکورہ مقدار اموال تجارت کی زکوۃ کا بھی نصاب ہے، یعنی جس کے پاس ۵۹۵ گرام خالص چاندی کی قیمت کے برابر پونجی یا سرمایہ ہو اور سال گزر چکا ہو، تو اس کے سرمایہ میں ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکوۃ ہے، جس کی تفصیل آگے اموال تجارت کے نصاب میں (صفحہ ۳۱ پر) بیان کی گئی ہے۔

(۲) سونا: اس کا نصاب بیس مثقال ہے اور سال گذرنا شرط ہے۔

مثقال ثقل (بمعنی وزن) سے مشتق ہے، اور قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ مذکور ہے، یہ لفظ خاص وزن کے لئے بولا جاتا تھا، قیصر نیرون نے اسی وزن کے برابر خالص سونا کا سکہ ڈھالا جس کا نام Denarius Aurius رکھا، یہی سکہ مصر، شمالی افریقہ اور ایشیائے صغریٰ وجزیرۂ عرب میں رائج ہوا اور عرب دنیا میں دینار کے نام سے مشہور ہوا، جس کا وزن سوا چار گرام تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسی سکہ کو جو مکہ میں مشہور تھا معیار بتایا ہے۔

عبد الملک بن مروان نے اپنے دور حکومت میں دمشق میں سکہ ڈھالنے کی فیکٹری بنائی اور جو پہلا اسلامی سکہ ڈھال کر رائج کیا وہ دینار بھی اسی وزن کا تھا۔

لہذا سونا کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار برابر (۲۵/۴ ×۲۰ =) ۸۵ گرام ہے۔

اگر کسی کے پاس ۸۵ گرام یا اس سے زائد خالص سونا ہو اور سال گزر چکا ہو، تو اس پر ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکوۃ ہے۔

سونے و چاندی کے بارے میں یہ بات واضح رہنا چاہئے کہ یہ دھاتیں کسی شکل میں بھی ہوں ان پر زکوۃ ہے، اس میں وہ گہنہ بھی شامل ہے جس کو لوگ بنوا کر رکھے رہتے ہیں اور وہ بھی جو استعمال میں ہو، کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے عورتوں کے ہاتھ میں کنگن اور کان میں بالی کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر اس کی زکوۃ ادا نہیں کی جاتی تو یہ کنز میں شمار ہوگا جس کے بارے میں قرآن مجید میں وعید آئی ہے۔

چنانچہ ابو داؤد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنی بچی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، بچی کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "أتعطين زكوٰة هذا قالت لا قال أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار ؟ قال فخلعتهما فألقتهما إلى النبي ﷺ وقالت هما لله ورسوله "۔ یعنی کیا تم اس کی زکوۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے بدلہ میں تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟ یہ سن کر اس عورت نے وہ دونوں کنگن اتار دیئے، اور نبی کریم ﷺ کو پیش کر دیا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

دوسری حدیث ابو داؤد، دار قطنی، حاکم اور بیہقی کی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور دیکھا کہ میرے ہاتھ میں چاندی کے چھلے ہیں تو پوچھا عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے یہ اس لئے پہنے ہیں تاکہ آپ کے سامنے زینت کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا: أتؤدين زكاتهن ؟ قالت لا أو ما شاء الله قال هو حسبكِ من النار . (یعنی) کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر تو یہ تمہارے لئے (جہنم کی) آگ کے واسطے کافی ہے۔

تیسری حدیث ابو داؤد کی ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں سونے کا زیور پہن لیا کرتی تھی اس سلسلہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ کنز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ما بلغ أن تؤدي زكوٰته فزكي فليس بكنز . (یعنی) جو زکوۃ کی مقدار (نصاب) کو پہونچ جائے اور زکوۃ ادا کر دی جائے تو یہ کنز نہیں ہے۔

امید ہے یہ تین روایتیں مسئلہ کی وضاحت کے لئے کافی ہیں۔

☆☆☆

عہدے اور منصب کا اسلامی تصور

(۳)

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

منصب سے دور رہنے کی تلقین:

احادیث نبویہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حتی الامکان آدمی کو منصب سے دور رہنا چاہیے اور اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے اور ایسا اس لئے کہ آدمی اگر منصب کی ذمہ داریوں کو بطریق احسن نبھا نہ سکا تو اللہ کی گرفت میں آجائے گا، چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

’’عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنكم ستحرصون على الامارة، و ستكون ندامة يوم القيامة‘‘(1)

تم لوگ یقیناً حکومت اور امارت کی حرص کروگے (لیکن یاد رکھو) یہ قیامت والے دن ندامت کا باعث ہوگی۔

’’عن أبی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا أباذر إنی أراك ضعيفا، وإنی احب لك ما أحب لنفسی۔ لاتَأَمَّرَنَّ على اثنين، و لاتَوَلَّيَنَّ مال يتيم۔ (2)

اے ابوذر! میں تجھے کمزور دیکھتا ہوں اور میں تیرے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں (اس لئے میری نصیحت یہ ہے کہ) تو دو آدمیوں پر کبھی حاکم نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کا نگراں بننا۔

’’وعن أبی ذر رضی الله عنه أيضا قال: قلت يا رسول الله ألا تستعملنی؟ فضرب بيده على منكبی ثم قال: يا أبا ذر إنك ضعيف، وإنها أمانة، وإنها يوم القيامة خزی و ندامة، إلا من أخذها بحقها وأدى الذی عليه فيها۔ (3)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے کسی جگہ کا عامل (عہدیدار) نہیں بنا دیتے؟

(۱) رواہ البخاری والنسائی واحمد۔

(۲) رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی۔

(۳) رواہ مسلم واحمد۔

آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارا اور فرمایا: اے ابوذر! تو کمزور ہے اور یہ (منصب) ایک اہم امانت ہے۔ یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا، سوائے اس شخص کے جو اسے حق کے ساتھ (اہلیت کی بنیاد پر) حاصل کرے اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اس کی بابت اس پر عائد ہوتی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہدہ ومنصب تو ایک اہم انسانی ضرورت ہے اور اسی کے ذریعہ دین ودنیا کے بہت سارے امور کو منظّم کیا جاتا ہے اور فتنہ وخلفشار کو روکا جاتا ہے تو شریعت ایسے اہم کام سے نفرت کیوں دلا رہی ہے اور اسے آدمی کے لئے دنیا وعقبیٰ میں رسوائی وہلاکت کا سبب کیوں قرار دے رہی ہے۔ حضرت ابوذر کی مذکورہ دوسری روایت بذات خود اس سوال کے جواب پر مشتمل ہے، کیونکہ اس روایت کے آخر میں کہا گیا ہے۔" إلا من أخذ ها بحقها و أدى الذى عليه فيها"۔

یعنی منصب فی نفسہ بری چیز نہیں ہے بلکہ خارجی عوامل اس کے اندر خرابی پیدا کرتے ہیں، اور چونکہ یہ خرابی آدمی کے دین وایمان کے لئے بڑی ہلاکت خیز ہے اس سے حتی الامکان بچنے کی تلقین کی گئی ہے، ساتھ ہی اہل منصب کو اس تلقین کے ذریعہ حذر واحتیاط کا پہلو اختیار کرنے کی رہنمائی بھی کی گئی ہے۔

مذکورہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر آدمی منصب کو برحق طور پر لیتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو اس وعید کا اس پر اطلاق نہیں ہوگا۔ برحق طور پر منصب لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس منصب کی صلاحیت رکھتا ہو اور جائز طریقے سے اسے حاصل کیا ہو، پھر اس کے ساتھ منصب کے تقاضوں اور تمام ذمہ داریوں کو پورا بھی کرتا ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی اگر منصب کی اہلیت نہیں رکھتا اور اس کو حاصل کر بیٹھتا ہے، یا اہلیت کے ساتھ حاصل کیا مگر اس کے بعد منصب کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوگا۔

شیخ محمد بن علان فرماتے ہیں:" فالذم محمول على الأهل للولاية اذا لم يعدل فيها، أو على غير الأهل، أما الأهل لها اذا وليها وعدل فيها فله فضل عظيم و أجر جسيم۔"(4)

یعنی عہدہ حاصل کرنے کی ممانعت یا مذمت اس صورت میں ہے جب آدمی عہدہ کا اہل ہو مگر اس میں انصاف نہ کرتا ہو، یا یہ کہ سرے سے عہدہ کا اہل نہ ہو، رہا وہ شخص جو عہدہ کا اہل ہو اور اسے لینے کے بعد انصاف سے کام لے تو اس کا بڑا فضل اور اس کے لئے اجر کثیر ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:"هذاالحديث أصل عظيم فى اجتناب الولايات........"(5)

(۴) دلیل الفالحین: ۱۴۳/۳۔ (۵) شرح نووی علی مسلم: ۲۴۶/۱۲-۲۴۷۔

یعنی یہ حدیث مناصب سے بچنے کے سلسلے میں اصل عظیم کی حیثیت رکھتی ہے خاص طور سے اس شخص کے لئے جوان مناصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے کمزور ہو، اور رسوائی اور ندامت اس شخص کے حق میں ہے جو منصب کا اہل نہ ہو، یا اہل ہو لیکن عدل سے کام نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلیل ورسوا کرے گا اور یہ شخص اس دن اپنے کئے پر پچھتائے گا۔ البتہ جو شخص منصب کا اہل ہوگا اور عدل کرے گا تو اس کے لئے فضل عظیم ہے۔

اس تعلق سے چند حدیثیں مزید ملاحظہ ہوں:

’’عن أبی امامة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: مامن رجل یلی أمر عشرة فما فوق ذلك: الا أتی الله مغلولا یده الی عنقه، فكه بره أو أوثقه اثمه، أولها ملامة، وأوسطها ندامة، وآخرها خزی یوم القیامة۔ (6)

یعنی جو شخص دس یا اس سے زیادہ آدمیوں کا ذمہ دار بنا ہو اللہ تعالیٰ کے پاس اس حال میں آئے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوگا، اب اس کی نیکی اس کو کھول دے گی یا اس کا گناہ اس کو اور مضبوط باندھ دے گا، اس عہدہ کا آغاز ملامت سے ہوتا ہے، اور اس کے درمیان ندامت ہوتی ہے اور اس کا اختتام قیامت کے دن کی رسوائی پر ہوتا ہے۔

’’عن أبی هریرة ما من أمیر عشرة الا وهو یؤتی به یوم القیامة مغلولا حتی یفكه العدل أو یوبقه الجور۔ (7)

اگر کوئی شخص دس لوگوں کا بھی ذمہ دار ہے تو اسے قیامت کے دن جکڑ کا لایا جائے گا، یہاں تک کہ انصاف اس کو آزاد کرادے یا ظلم اس کو ہلاکت میں ڈال دے۔

عن عوف بن مالك "ان شئتم أنبأتكم عن الامارة، وما هی، أولها ملامة، وثانیها ندامة، وثالثها عذاب یوم القیامة، الا من عدل" (8)

اگر تم چاہو تو میں تمہیں منصب کی حقیقت بتلادوں اس کا آغاز قابل ملامت ہے، دوسرے نمبر پر وہ باعث ندامت ہے اور تیسرے نمبر پر وہ قیامت کے دن کا عذاب ہے، سوائے اس منصب والے کے جو عدل سے کام لے۔

عن انس "ان الله تعالیٰ سائل كل راع عما استرعاه، أحفظ ذالك أم ضیعه، حتی یسأل

(۶) رواہ احمد، صحیح الجامع الصغیر: ۵۷۱۸۔

(۷) رواہ البیہقی، صحیح الجامع الصغیر ۵۶۹۶۔۵۶۹۵۔مشکوۃ۔۳۶۹۷۔

(۸) رواہ الطبرانی، صحیح الجامع الصغیر: ۱۴۲۰ (سلسلہ ۱۵۶۲)

الرجل عن أهل بيته"(9)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان کی حفاظت کیا یا ان کو بربادی کو پہنچایا، یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی پوچھے گا۔

''عن أبی هريرة رضی الله عنه ليتمنين أقوام و لوا هذاالأمر أنهم خروا من الثريا، وأنهم لم يلوا شيئا" (10)

یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ منصب والے یہ تمنا کریں گے کہ بھلے وہ آسمان سے گر پڑتے مگر کوئی منصب نہ لیتے۔

منصب قضا سے اجتناب کی خصوصی تلقین:

عام مناصب سے دور رہنے اور ان سے بچنے کی تلقین پر مشتمل مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ کچھ ایسی بھی حدیثیں آتی ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ منصب قضاء کی خطرناکی کو بیان کیا گیا ہے اور ان سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

۱-''عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : من ولی القضاء فقد ذبح بغير سكين''(11)

جسے قضا کا منصب دیا گیا گویا اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

۲-''عن بريدة رضی الله عن قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: القضاة ثلاثة، اثنان فی النار، وواحد فی الجنة، رجل علم الحق فقضی به فهو فی الجنة، و رجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار، ورجل عرف الحق فجار فی الحكم فهو فی النار''(12)

یعنی قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں، دو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں، (اس کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص نے حق جانا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنت میں جائے گا، اور جس شخص نے لاعلمی اور جہالت کی حالت میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا وہ جہنم میں جائے گا، اور جو شخص حق جانتے ہوئے ظلم کرے اور فیصلہ میں ناانصافی کرے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

حضرت بریدہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منصب قضا بھی مطلقا ممنوع یا لائق نفرت نہیں ہے بلکہ نااہلی یا ظلم و زیادتی جیسی خرابیوں کے در آنے کی وجہ سے وہ لائق ملامت اور قابل گرفت ہوا، جیسا کہ دوسری حدیثوں میں بھی اس کی

(۹) رواہ النسائی وابن حبان، صحیح الجامع:۴۷۷۱۔
(۱۰) رواہ احمد، صحیح الجامع:۵۳۶۰۔
(۱۱) ابوداؤد، ترمذی، صحیح الجامع الصغیر:۶۵۹۴۔
(۱۲) الحاکم صحیح الجامع الصغیر:۴۴۴۶۔

صراحت موجود ہے، چنانچہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إن الله مع القاضی ما لم یجر عمدا، فاذا جار وکله الی نفسه''(13)

اللہ تعالیٰ قاضی کا ساتھ اس وقت دیتا ہے جب تک وہ قصداً ظلم و ناانصافی نہ کرے، اور جب وہ ناانصافی کرنے لگتا ہے تو اسے اس کے نفس کے حوالے کر کے چھوڑ دیتا ہے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

''إن الله تعالیٰ مع القاضی مالم یجر، فاذا جار تبرأ منه و الزمه الشیطان''(14)

اللہ تعالیٰ قاضی کا ساتھ اس وقت تک دیتا ہے جب تک وہ ناانصافی نہ کرے، جب وہ ناانصافی کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے اور شیطان کو اس سے جوڑ دیتا ہے۔

نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں کہ قضاء کے سلسلے میں کچھ روایتیں ترغیب والی آئی ہیں اور کچھ روایتیں ترہیب والی، بلکہ مطلق امارت کے بارے میں۔ جو کہ منصب قضاء سے عام ہے۔ ایسی دلیلیں آئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ میری نظر میں ان حدیثوں کے درمیان تطبیق کا معاملہ اشخاص پر موقوف ہے، پس جس شخص کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ وہ حق پر قائم رہے گا اور حق کو عام کرے گا، امارت کے سلسلے میں اس کے اندر کسی طرح کی کمزوری نہیں ہوگی، قضا میں پوری سختی اور طاقت لگا سکے گا، مال سے بچے گا اور طاقتور اور کمزور کے درمیان انصاف کرے گا تو ایسے شخص پر اگر قضا واجب نہ ہو تب بھی اس کے لئے اس میں داخل ہونا اولیٰ ہے، ہاں ایک شرط ہے کہ اس کا وہی درجہ ہو جس کا اعتبار کیا گیا ہے، اور جو ان اوصاف میں کمزور ہو اس کے لئے ترک منصب ہی اولیٰ ہے، بلکہ بسا اوقات یہ ترک اس پر واجب ہو جاتا ہے۔(15)

علامہ سید سابق نے بھی دونوں قسم کی احادیث کے درمیان اسی طرح تطبیق دی ہے۔(16)

(جاری)



(۱۳) ابن ماجہ، صحیح الجامع الصغیر: ۱۸۲۶۔

(۱۴) حاکم، بیہقی، صحیح الجامع الصغیر: ۱۸۲۷۔

(۱۵) ظفر اللاضی، ص: ۱۵-۱۶، انظر ایضاً ص: ۱۰۷-۱۱۰۔

(۱۶) ملاحظہ: فقہ السنۃ: ۲۱۶/۳۔

روزے کے احکام

مولانا عبدالکبیر مبارکپوری
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی النبی الکریم . و بعد

انسان کے وجود کا الٰہی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی ساری زندگی اللہ کا ایک بندہ بن کر گذارے۔ ہر حال میں اپنے رب کی رضا جوئی میں لگا رہے اور ایسے امور سے کنارہ کش رہے جو اس کی بندگی کو داغ دار کرتے ہوں۔

(وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون)

''میں نے جن وانس کو صرف اس لئے وجود دیا کہ وہ میری بندگی کریں۔''

جس طرح انسانی وجود کا ایک مقصد ہے اسی طرح انسان پر عائد کی گئی پابندیوں اور عبادتوں کے بھی مقاصد ہیں۔ پہلا اور سب اہم مقصد تو یہی ہے کہ ان عبادت واعمال کو اظہار بندگی کا نہایت خلوص کے ساتھ ذریعہ بنایا جائے اور انھیں عاجزانہ کمال کے ساتھ ادا کیا جائے۔

دوسری طرف مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ بندوں میں انسانی کمالات پیدا ہوں۔ کوئی بھی عبادت ایسی نہیں ہے جو ضمیر میں، سوچ وفکر میں کوئی نہ کوئی ایجابی اور مفید اثر نہ پیدا کرتی ہو، بلکہ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بعض عبادت کے مفید جسمانی وفکری اثرات بھی دیکھے گئے ہیں۔

روزہ بھی ایک عبادت ہے۔ اور اس عمل میں بھی مذکورہ خوبیاں موجود ہیں۔ وہ اگر ایک طرف تقوی، للّٰہیت، خلوص، ہمدردی اور غم گساری جیسے کمالات پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف جسمانی طور پر پھرتیلا، چاق وچوبند اور جواں ہمت بھی بناتا ہے۔

عبادتِ روزہ ان پانچ ستونوں میں سے ہے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور بطور فریضہ مومنوں کے اوپر عائد کی گئی ہے۔

(یا ایهاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون) (سورۃ البقرۃ)

''اے مومنو! تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم متقی بنو۔''

حدیث میں ہے:

"بني الاسلام على خمس : شهادة أن لا اله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله وإقام الصلاة و ا يتاء الزكاة و حج البيت وصوم رمضان "۔(مسلم)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: شہادت دینا کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اوراس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

روزہ کی فرضیت پر قرآن اور حدیث کی دلیل کے علاوہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر بلا نزاع اتفاق واجماع ہے کہ روزہ فرض ہے۔

روزہ ایک پُر مشقت عمل ہے۔ انسان کو اس حالت میں کئی ایسی اشد ضرورتوں اور خواہشوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے جن سے دست برداری عام حالات میں سخت دشوار ہے۔ شریعت نے بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ کچھ استثنائی حالتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں روزہ فرض نہیں رہ جاتا۔

یہ عبادت اس مسلمان پر فرض کی گئی ہے جو صاحبِ عقل ہو، بالغ ہو اور اداء وقضاء کی حیثیت سے روزہ رکھنے پر قادر ہو۔ ان سے روزہ کا وجوب اور فرضیت ساقط ہو جاتی ہے جن کی عقل میں اختلال ہو یا وہ ایسی عمر میں جو شعور وادارک کی اور ذمہ داری کی عمر نہیں ہے۔ ان پر روزہ اس وقت واجب ہوگا جب یہ عارضی حالت دور ہو جائے۔

" رفع القلم عن ثلاث ، عن الصبى حتى يبلغ وعن المجنون حتى يفيق وعن النائم حتى يستيقظ۔ ''۔ ''تین طرح کے لوگوں کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ بچوں کو جب تک کہ بالغ نہ ہو جائیں، پاگلوں کو جب تک کہ درست نہ ہو جائیں اور سوئے ہوئے لوگوں کو جب تک کہ بیدار نہ ہو جائیں۔''(حدیث)

اسی طرح جو روزہ پر قدرت نہ رکھتے ہوں یا جن کو کافی مشقت کا سامنا ہو ان سے بھی روزہ کی فرضیت ساقط ہے۔ ان کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

ماہ رمضان کی ابتداء:

(فمن شهد منكم الشهر فليصمه) (قرآن)

''تم میں سے جو مہینہ پائے اسے مہینہ کا روزہ رکھنا ہوگا۔''

مذکورہ آیت سے مہینہ بھر کے روزہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ مہینہ کا آغاز اور انجام نئے چاند کا نکلنا ہے۔ لہذا چاند دیکھ کر یا دوسرے لفظوں میں مہینہ کے آغاز کی تصدیق ہونے پر ہی روزہ رکھا جائے گا۔

''صوموا لرؤيته و أفطروا لرؤيته'' (حدیث)

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ۔''(بخاری مسلم)

"فان غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين۔"(بخاری مسلم)
"اگر تمہارے لئے فضا ابر آلود ہو جائے تو شعبان کی تعداد تیس دن پورے کرو۔"

فضا کی آلودگی کبھی بھی ہو سکتی ہے۔اس غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر کیا یہ درست ہوگا کہ روزہ جیسی اہم عبادت کے لئے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ۲۹؍شعبان کو بھی بطور احتیاط رمضان کی نیت سے روزہ رکھ لیا جائے؟ شریعت میں اس احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ حدیث ایسی صورت حال میں شعبان کے تیس دن پورے کرنے کی تاکید کرتی ہے۔ دوسری طرف شک کے دن کے روزہ ممنوع بھی قرار دیا گیا ہے۔

" نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن صوم يوم الشك۔" (حديث)
"نبی ﷺ نے شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔"

غرض اس مبینہ احتیاط سے اوپر مذکور تینوں حدیثوں کی مخالفت لازم آتی ہے جو کسی طرح بھی ایک مسلمان کے لئے درست نہیں قرار دی جاسکتی۔ بلکہ اس مزعومہ احتیاط سے "نیکی برباد گنہ لازم" کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

فضا کی آلودگی کی وجہ سے پہلا روزہ نہ رکھا جا سکے تو بعد میں اس کی قضا دے دی جائے گی۔

(فعدة من ايام اخر) (قرآن)
"چھوٹے ہوئے روزوں کی تعداد دوسرے دنوں میں پوری کی جائے۔"

نیت:

کسی بھی عبادت کے لئے عزم وارادے کا شامل ہونا نہایت ضروری ہے۔عمل اگر نیت وارادہ سے خالی ہے تو وہ محض ایک عمل ہے جو اعضاء وجوارح کی حرکت سے عمل میں آگیا ہے۔ جناب باری تعالیٰ میں عبادت کہے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

" إنما الأعمال بالنيات"(بخاری ومسلم)
"اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہوتا ہے۔"

محض سحری کر لینا، بھوکے رہ لینا اور افطار کر لینا روزہ نہیں ہے جب تک کہ یہ عمل عبادت کی نیت سے نہ ادا کیا جائے۔ بلکہ روزہ کی نیت کے لئے تو اتنا اہتمام ہے کہ نہ صرف نیت کی جائے گی بلکہ ہر دن کے روزہ کے لئے الگ سے نیت ضروری ہے۔

"من لم يبيت الصيام قبل الفجر فلا صيام له"(خمسہ)
جس نے فجر سے پہلے روزہ رکھنے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ درست نہیں۔

سحری:

سب سے پہلا عمل سحری کرنا ہے۔سحری کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور خیر وبرکت کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔ یہ ایسا عمل ہے

جوروزہ جیسی پر مشقت عبادت کے لئے معاون بھی ہے اور ہمارے وغیروں کے درمیان وجہ امتیاز بھی۔

" تسحروا فان فی السحور برکة " ''سحری کیا کرو۔ بے شک سحری میں برکت ہے۔''(بخاری ومسلم)

مسلم میں ہے: ''فصل ما بین صیامنا و صیام أهل الکتاب أکلة السحر۔''

''ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان سحری کا کھانا وجہ امتیاز ہے''۔

سحری میں تاخیر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تاخیر ہی تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تسحرنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قمنا الی الصلاة (قال أنی:) قلت : کم کان بین الأذان و السحور؟ قال: قد ر خمسین آیة۔''

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر نماز کو چلے گئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اذان اور سحری میں کتنا فاصلہ تھا؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اتنا جتنے میں پچاس آیتیں پڑھی جاسکیں۔''

افطار:

روزہ کا آخری عمل افطار ہے۔ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار کر لینے کا حکم دیا گیا ہے اور تاخیر کو غیر پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے غیر ضروری احتیاط سوائے بے جا تکلف کے اور کچھ نہیں۔ مومن کی یہی شان ہے کہ شریعت کے ہر حکم پر اس کی منشا کے مطابق بلا تردد اور بغیر شک عمل کرے۔

''لا یزال الناس بخیر ما عجلو ا الفطر''(بخاری ومسلم)

''لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے ہیں گے۔''

حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''أحب عبادی الی أعجلهم فطرا''۔(ترمذی)

''میرے نزدیک میرا محبوب بندہ وہ ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے۔

ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کا حکم:

جیسا کہ عرض کیا گیا، حالت روزہ میں بہت سے ایسے امور ترک کرنے پڑتے ہیں جن کا عام حالات میں ترک کرنا سخت دشوار ہوتا ہے۔ پھر دوسری طرف انسان مختلف عوارض کا نشانہ بھی بنتا رہتا ہے۔

اس لئے شریعت نے اس پہلو کو بھی مدنظر رکھا ہے اور ایسی استثنائی حالتیں ذکر کی ہیں جن میں مکلّف کے لئے یہ عبادت واجب نہیں رہ جاتی۔ بلکہ بعض حالات میں ممنوع تک ہو جاتی ہے۔

چنانچہ سفر کی مشقت کو دیکھتے ہوئے مسافر کے لئے مباح ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کر لے۔

اسی طرح حاملہ، دودھ پلانے والی عورت اور مریض کو خطرہ ہو تو ان کے لئے بھی افطار مباح ہے۔

حائضہ اورنفاس والی عورت پر افطار واجب قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایسی حالت میں روزہ رکھا گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ ایک لغو کام ہوگا بلکہ ترک واجب کا گناہ بھی لازم آئے گا اور حکمِ الٰہیٰ کی نافرمانی کا وبال بھی۔

قرآن کا ارشاد ہے: (فمن كان منكم مريضا اوعلى سفرفعدة من ايام اخر)

''تم میں جو مریض ہو یا حالت سفر میں ہو تو (روزہ چھوڑ سکتا ہے اور چھوڑے ہوئے روزوں کی) تعداد دوسرے دنوں میں (پوری کر لی جائے گی۔'')

حدیث میں ارشاد ہوا:

''هی رخصة من الله فمن أخذ بها فحسن و من أحب أن يصوم فلا جناح عليه۔''

''سفر میں روزہ چھوڑ دینا اللہ کی جانب سے ایک رخصت ہے، جس نے رخصت پر عمل کیا تو عمدہ بات ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے تو اس کے لئے حرج نہیں۔''

دوسری حدیث ہے: ''أليس اذا حاضت لم تصل و لم تصم؟'' (بخاری ومسلم)

''کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت جب حیض میں مبتلا ہوتی ہے تو نماز روزہ چھوڑ دینا پڑتا ہے؟''

بعض فطری ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے انسان کو خواہش کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ فطری طور پر تقاضا ہوتا ہے۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اگر ان ضرورتوں سے انسان کو عارضی طور پر روک دیا جائے تو اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ فطری ضرورت کا تقاضا عقل پر غالب آجائے اور انسان پابندی کو بھلا بیٹھے جو اس پر عارضی طور سے عائد کی گئی تھی۔ روزہ کی حالت بھی کچھ اسی حالت سے مطابقت رکھتی ہے۔

شریعت نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ بھول چوک کو کالعدم قرار دیا ہے۔ ''وذلک من فضل اللہ العظیم''۔

ارشاد نبوی ہے:

''من نسي وهو صائم فأكل أو شرب فليتم صومه فانما أطعمه الله و سقاه''۔ (بخاری ومسلم)

''جو حالت روزہ میں بھول بیٹھے اور کچھ کھا پی لے تو اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہئے۔ اسے اللہ نے کھلا پلا دیا ہے۔''

نفل روزے

ارشاد نبوی ہے:

''ان أول ما يحاسب الناس به يوم القيامة من أعمالهم الصلاة۔ قال: يقول ربنا جل وعز لملائكته وهو أعلم: انظروا فی صلاة عبدی أتمها أم نقصها؟ فان كانت تامة كتبت له تامة، و ان كان انتقص منها شيئا قال: انظروا هل لعبدی من تطوع؟ فنا كان له تطوع قال: أتموا لعبدی فريضته من تطوعه۔ ثم توخذالأعمال على ذاكم۔'' (ابوداؤد)

''لوگ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے جس عمل کا حساب لئے جائیں گے، نماز ہے۔ فرمایا: ہمارا رب جل وعز اپنے فرشتوں سے فرمائے گا۔ جب کہ وہ زیادہ جان کار ہے: میرے بندے کی نماز میں نظر ڈالو، اسے پورا کیا ہے یا کمی کی ہے؟ اگر مکمل ہوگی تو مکمل لکھی جائے گی۔ اگر اس میں کچھ کمی کی ہوگی تو فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کے لئے نفل ہے؟ اگر اس کے لئے نفل ہوگی تو فرمائے گا: میرے بندے کے لئے اس کے فرض کو اس کی نفل سے مکمل کردو۔ پھر سارے اعمال کا اسی طرز پر حساب لیا جائے گا۔''

جن امور سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

۱-قصداً کچھ کھا پی لینا، چاہے کم ہو یا زیادہ۔

(وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیط الأسود من الفجر، ثم أتموا الصیام الی اللیل) (قرآن)

''اور کھاتے اور پیتے رہو یہاں تک کہ فجر میں صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے (الگ ہوکر) تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔ پھر روزے کو رات تک (لے جاکر) پورا کرو۔''

۲-جماع کرنا۔ ''جاء رجل فقال: ھلکت یا رسول اللہ : قال: وما أھلك ؟ قال: وقعت علی امرأتی فی رمضان.......الحدیث۔

''ایک آدمی آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول میں برباد ہوگیا۔ فرمایا: کس چیز نے تمہیں برباد کیا؟ کہا: رمضان میں میں اپنی بیوی سے مل بیٹھا۔ (بخاری مسلم)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کفارہ کا حکم دیا۔ ایسے آدمی کے اوپر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی۔ اور کفارہ یہ ہے کہ گردن آزاد کرے۔ استطاعت نہ ہو تو دو مہینہ مسلسل روزہ رکھے۔ نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

۳-دانستہ قے کرنا۔ ''من استقاء فعلیه القضاء۔'' جو دانستہ قے کرے اس کے ذمہ قضا ہے۔ (خمسہ)

۴-حقہ بیڑی پان وغیرہ کا استعمال۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا: یدع شھوته و طعامه من أجلی (مسلم) روزہ دار میری خاطر اپنی خواہش اور کھانا چھوڑ دیتا ہے۔

۵-قصداً ناک میں اس طرح پانی چڑھانا کہ حلق سے اتر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أسبغ الوضوء و خلل بین الأصابع وبالغ فی الاستنشاق الا أن تکون صائما۔'' (أربعہ وصححہ ابن خزیمہ) وضو مکمل طور پر کیا کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔ ناک میں پانی چڑھاؤ تو مبالغہ سے کام لو الا یہ کہ روزے سے ہو۔

وصلی اللہ علی محمد و آله و صحبه أجمعین والحمدلله رب العالمین۔

☆☆☆

تراویح: فضیلت واہمیت اور حقیقت

ڈاکٹر رحمت اللہ السلفی

ماہ رمضان گوناگوں خوبیوں اور بے پناہ برکتوں وعظمتوں کا مہینہ ہے، اسی مہینہ میں قرآن مقدس کا نزول ہوا، اسی مہینہ میں شب قدر ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، اسی مہینہ میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اسی مہینہ میں آپ ﷺ بکثرت ذکر واذکار، عبادت وریاضت اور تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے تھے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی نفلی عبادت فرض کے برابر قرار پائی، ان نفلی عبادات میں ایک تراویح بھی ہے جس کا آپ نے خاصا اہتمام کیا اور امت کو ترغیب دی، ذیل میں تراویح کی فضیلت واہمیت اور حقیت بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

تراویح کا معنی ووجہ تسمیہ:

حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے جس کے معنی ایک مرتبہ آرام کرنا جیسے ایک مرتبہ سلام کو تسلیمہ کہا جاتا ہے اور رمضان میں تراویح کی باجماعت نماز کو تراویح اس لئے کہا جاتا ہے کہ شروع میں صحابہ کرام جب نماز پڑھتے تھے تو ہر دو سلام کے درمیان آرام کرتے تھے، امام محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں لیث بن سعد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام اتنی دیر تک آرام کرتے تھے کہ آدمی بآسانی ایک دو رکعت پڑھ لے۔ (فتح الباری ۴/۲۵۰)

تراویح کی مشروعیت وحکم:

قرآن کریم وحدیث رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز شریعت اسلامیہ میں مشروع ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یا أیها المزمل، قم اللیل الا قلیلا﴾ (المزمل:۱-۲) اور ﴿ومن اللیل فتهجد به نافلة لك﴾ (الاسراء:۷۹) اور حدیث رسول ﷺ ہے: "من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه" جس نے ایمان وتصدیق کی بنیاد پر اجر وثواب کی امید میں قیام رمضان کیا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۴/۲۵۰ ومسلم، الصلاۃ ۵/۳۹ مع النووی)

جہاں تک اس کے حکم کا معاملہ ہے تو یہ فرض ہے نہ واجب بلکہ سنت موکدہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے

تراویح کی نماز مسجد میں پڑھی، دوسرے لوگوں نے بھی باجماعت پڑھی، پھر آپ کے ساتھ دوسری رات بہت سے لوگوں نے نماز پڑھی، تیسری رات بھی آپ نے بہت سے لوگوں کے ساتھ باجماعت پڑھی، چوتھی رات اتنے لوگ اکٹھے ہوگئے مسجد تنگ ہوگئی، لیکن آپ اس رات نماز کے لئے نکلے ہی نہیں، بالکل فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، نماز کے بعد آپ نے فرمایا: "قد رأيت الذى صنعتم فلم يمنعنى من الخروج اليكم الا أنى خشيت أن تفرض عليكم" میں نے تمہاری آمادگی ودلچسپی کو دیکھا لیکن کمرے سے اس لئے نہیں نکلا کہ کہیں تراویح کی نماز تم پر فرض نہ ہوجائے پھر تم اس کو ادا نہ کرسکو۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التہجد ۳/۱۰ مع الفتح وصحیح مسلم، المساجد ۶/۴۱ مع النووی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: "كان رسول الله ﷺ يرغب فى قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة" آپ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے لیکن واجبی طور پر نہیں کہتے تھے بلکہ ندب وترغیب کے طور پر فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم، المساجد ۶/۴۰ مع النووی) حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: "فصار قيام الليل تطوعا بعد فريضة" قیام اللیل فرضیت کے بعد مندوب ہوگیا۔ (صحیح مسلم، صلاۃ المسافر ۶/۲۶ مع النووی)

تراویح کی فضیلت:

تراویح کی فضیلت متعدد احادیث میں وارد ہے، امام بخاری (۲۵۶ھ) نے باب فضل من قام رمضان کے تحت چھ حدیثیں نقل کی ہیں، اسی طرح امام مسلم (۲۶۱ھ) نے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں، قیام اللیل کے نام سے مستقل کتاب امام محمد بن نصر مروزی نے لکھی ہے جس میں متعدد احادیث کو جمع کیا ہے ان احادیث میں سے چند بطور نمونہ نقل کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ کی مشہور حدیث: "من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه"۔ (تخریج گذر گئی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "ما كان يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة يصلى أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثا" آپ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت پڑھتے تھے تم ان کے حسن وطول کے بارے میں نہ پوچھو، پھر چار پڑھتے تھے ان کے حسن وطول کا کیا کہنا پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۴/۲۵۱ مع الفتح وصحیح مسلم، المسافرین ۶/۱۷ مع النووی)

حضرت ابو ذرؓ کی حدیث ہے: قیام اللیل امام کی اقتداء میں کیا جائے تو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۹۰/۲ سندہ صحیح صلاۃ التراویح ص ۱۵)

تراویح کی فضیلت ہی تھی کہ نبی امیؐ خود جاگتے تھے اور دوسروں کو بھی جگاتے تھے، جیسے حضرت علی وفاطمہؓ کو جگایا تھا۔ (صحیح بخاری، التہجد ۳/۱۰ مع الفتح)

تراویح کی اہمیت:

سابقہ سطور میں تراویح کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے اور قیام اللیل کے سلسلے میں جو دیگر حدیثیں وارد ہیں ان سے تراویح کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، فی نفسہ سنن ونفلی عبادات کی مذہب اسلام میں کافی اہمیت ہے، صرف سنن رواتب کے بارے ہے کہ جو دن رات میں ۱۲/رکعتیں سنت پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار ہوگا۔ (صحیح مسلم، المساجد ۶/۶ مع النووی) اس کے علاوہ تحیۃ المسجد اور مغرب سے پہلے دو رکعت، سفر سے آنے پر دو رکعت کی کافی فضیلت واہمیت ہے، نفلی عبادات مطلقا محبت الٰہی کا ذریعہ ہیں، حدیث قدسی ہے: "ما تقرب الی عبدی بشيء أحب الی مما افترضته عليه وما يزال عبدی يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فاذا أحببته كنت سمعه الذی يسمع به وبصره الذی يبصر به ويده الذی يبطش به ورجله الذی يمشی بها ...." بندہ فرائض کی ادائیگی کر کے میری قربت حاصل کرے، مجھے زیادہ محبوب ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میری قربت حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر مجھ سے وہ مانگتا ہے تو اسے دے دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری، الرقاق ۱۱/۳۴۱ مع الفتح)

نوافل ومستحبات صرف محبت الٰہی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ وہ فرائض کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہیں جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے: "انظروا هل لعبدی من تطوع فتكمل به فريضته" (سنن نسائی، الصلاۃ ۱/۱۸۸، صحیح، دیکھئے الضعیفۃ ۳/۴۱۵)

معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ میں نوافل وسنن کی کافی فضیلت واہمیت ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ قیام اللیل کا زبردست اہتمام کرتے تھے اور اس حد تک کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہوجاتے، پھٹ جاتے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، التہجد ۳/۱۴ مع الفتح وصحیح مسلم، صفۃ الجنۃ والنار ۱۷/۱۶۲ مع النووی) آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے گئے تھے تب بھی اتنی زحمت وتکلیف اٹھاتے تھے جب لوگوں نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: أفلا أكون عبدا شكورا۔

معلوم ہوا فی نفسہ تراویح وقیام اللیل کی مذہب اسلام میں کافی اہمیت ہے اور اس کے مقاصد وفوائد عظیم ومہتم بالشان ہیں، یہ ان نوافل میں سے ہیں جن کو شعائر اسلام کا نام دیا گیا اور اس کے لئے جماعت مشروع کی گئی۔

تراویح باجماعت مستحب ہے:

علامہ البانی (۱۹۹۹ء) نے اپنی کتاب صلاۃ التراویح (۹-۱۵) میں تراویح باجماعت کے استحباب کو ثابت کرنے کے لئے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں، بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں خود نبی کریم ﷺ کے باجماعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، اور بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں باجماعت ادا کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں باجماعت ادا کرنے والوں کی تائید وتقریر ہے، ہم ان میں سے دو چند حدیثوں کو نقل کرتے ہیں، حضرت عائشہ کی حدیث اس سے پہلے گذری ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی، آپ کی دیکھا دیکھی لوگوں نے جماعت کی پھر آپ نے جماعت کی تیسرے دن بھی جماعت کے ساتھ پڑھی لیکن چوتھے دن فرض ہونے کے خوف سے نہیں آئے، امام بخاری نے ''صلاۃ النوافل جماعۃ'' کے بارے میں حضرت عتبان بن مالک کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ ان کی درخواست پر ان کے گھر گئے اور حضرت ابوبکر کو بھی لیکر گئے اور انہیں باجماعت نماز پڑھائی۔ (دیکھئے صحیح بخاری، التہجد ۶۱/۳ مع الفتح)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان میں نماز پڑھتے تھے، ہم آکر آپ کے پہلو میں کھڑے ہوجاتے پھر دوسرا آتا، پھر تیسرا آتا پھر جب ہمارے بارے میں احساس ہوجاتا تو ہلکی نماز پڑھتے تھے پھر گھر جاکر نماز پڑھتے تھے۔ (مسند احمد ۱۹۹/۳، سند صحیح، صلاۃ التراویح ص ۱۰)

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ رمضان کی تیسویں تاریخ ثلث لیل تک قیام کیا، پھر ۲۵ ویں کو نصف لیل تک قیام کیا، اور ۲۷ ویں کو دیر رات تک قیام کیا، یہاں تک کہ لگا کہ سحری کا وقت نکل جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۹۰/۲ و مستدرک حاکم ۴۴۰/۱، صحیح صلاۃ التراویح ص ۱۰)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ تراویح باجماعت مشروع تھی، جس رات آپ نے باجماعت تراویح ادا نہیں کی اس کی علت یہ تھی کہ کہیں فرض نہ ہوجائے، اب چونکہ علت باقی نہیں رہی، آپ کی وفات سے فرضیت کا اندیشہ ختم ہوگیا، اس لئے تراویح باجماعت مشروع رہے گی، اسی لئے تو حضرت عمرؓ نے باقاعدہ جماعت کا اہتمام کرایا۔ (صلاۃ التراویح ص ۱۳)

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمر کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلے، دیکھا کہ لوگ منتشر ہوکر مختلف ٹولیوں میں نماز ادا کررہے ہیں، کوئی تنہا اور کوئی چند لوگوں کے ساتھ، یہ دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری (امام) کی اقتداء میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا جائے تو بہتر ہوگا، چنانچہ آپ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور حضرت ابی بن کعب کو امام مقرر کردیا، دوسری رات جب ہم لوگ (معاینہ کے لئے) نکلے تو دیکھا

کہ لوگ باجماعت نماز ادا کررہے ہیں، اسے دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا: "نعمت البدعة هذه" کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۴/۲۵۰ مع الفتح) یعنی نئے سرے سے باجماعت تراویح کی نماز پڑھنا بہتر ومستحب ہے، اس لئے کہ جماعت کے ساتھ آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، لیکن بعد میں جماعت متروک ہوگئی یہاں تک کہ حضرت عمر نے دوبارہ جماعت سے نماز تراویح شروع کرائی۔

معلوم ہوا کہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا بہتر ومستحب اور افضل ہے کیونکہ اس میں جماعت کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنے کے مقابلہ میں فرداً فرداً پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ جماعت سے آپ ﷺ نے پہلے پڑھی، بعد میں جماعت نہیں کی، آخری حکم افضل ہوگا، ہم سمجھتے ہیں یہ ان کی خام معلومات کا اثر ہے ورنہ وہ ایسی بات کہتے ہی نہیں، اس لئے کہ جس علت کی بنا پر آپ ﷺ نے جماعت نہیں کی تھی وہ علت اب مفقود ہوگئی ہے کہ کہیں فرض نہ ہوجائے، اب جبکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے، آپ کی وفات ہوگئی ہے تو فرضیت کا کوئی اندیشہ بھی نہیں، اس لئے پہلے کی طرح جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ومستحب ہوگا۔

جماعت میں کون شریک ہوگا؟:

تراویح کی نماز جب جماعت سے پڑھی جائے تو اس میں جوان بچے، بوڑھے، معذور، غیر معذور مرد عورت سب شریک ہوسکتے ہیں، مردوں کی جماعت مسجد میں ہوگی اور ان کی اقتداء میں عورتیں بھی مسجد میں تراویح کی نماز پڑھ سکتی ہیں بشرطیکہ شریعت (حجاب وغیرہ) کا خیال رکھا جائے، حدیث رسول ﷺ ہے: "لا تمنعوا اماء الله مساجد الله" تم اللہ کی باندیوں (عورتوں) کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ (صحیح مسلم، الصلاۃ ۴/۱۶۱ مع النووی) اگر مردوں کی نماز الگ ہو اور عورتوں کی الگ ہو تو یہ بھی جائز ہے، الگ الگ امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو مردوں کے لئے اور تمیم داری اور سلیمان بن ابی حثمہ کو عورتوں کی امامت کے لئے امام مقرر کیا تھا۔ (فتح الباری ۴/۲۵۳)

تراویح کا افضل وقت کیا ہے؟:

تراویح کا وقت بالاتفاق عشاء کے بعد سے شروع ہوکر فجر تک ہے، آپ ﷺ عشاء کے بعد ہی تراویح کی نماز پڑھتے تھے، حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے: "كان رسول الله ﷺ يصلى فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء وهى التى يدعو الناس العتمة الى الفجر احدى عشرة ركعة" آپ عشاء کے بعد سے فجر تک میں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین ۶/۱۶ مع النووی)

افضل وقت کیا ہے؟ اول شب یا آخر شب اس کے بارے میں اختلاف ہے؟ حدیثوں میں آخر شب کی فضیلت زیادہ

بیان کی گئی ہے، نبی کریم ﷺ ابتداء رات کو سوتے تھے اور آخر شب کو قیام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، التہجد ۳/۳۲ مع الفتح وصحیح مسلم، المسافرین ۶/۲۲ مع النووی) حضرت عمر نے فرمایا تھا: 'والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون أوله" اول شب میں قیام کرنے کے مقابلہ میں آخر شب میں قیام کرنا افضل ہے۔ (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۴/۲۵۰ مع الفتح) ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی ہر رات آخری حصہ میں سماء دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے میں اس کی پکار سنوں گا، کون ہے جو مانگے میں اسے دوں گا، کون ہے جو استغفار کرے میں مغفرت کروں گا۔ (صحیح بخاری، التہجد ۳/۲۹ مع الفتح وصحیح مسلم، المسافرین ۶/۳۶ مع النووی)

تراویح کی نماز چونکہ جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب وافضل ہے اور آخر شب میں لوگوں کا جماعت میں شریک ہونا مشکل امر ہے، بالخصوص ہماہمی کے اس دور میں اور مشکل ہے، لوگ محنت ومشقت کر کے تھکے رہتے ہیں، سونے کے بعد جاگنا ان کے لئے مشکل ترین امر ہے، اس لئے ان کی اور جماعت کی رعایت کرتے ہوئے تراویح کا افضل وقت اول شب ہوگا، اس لئے ایک حدیث میں ہے جو امام کے ساتھ قیام اللیل کرے اسے پوری رات کا ثواب ملتا ہے۔ (سنن ابوداود ۱/۲۱۷، سند صحیح، صلاۃ التراویح ص ۱۵) اگر تمام مصلیان مسجد آخر شب میں جماعت کرنے پر متفق ہو جائیں تو سب سے افضل واولی ہے، یہ تو رہا جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے لئے افضل وقت، لیکن اگر کوئی تنہا پڑھتا ہے تو اس کے لئے آخری شب بہتر ہے، اس کی طرف یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے: "إن خیر صلاۃ المرء فی بیته الا الصلاۃ المکتوبة" (صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین ۶/۷۰ مع النووی)

تراویح کی نماز کیسے پڑھی جائے؟:

ماہ رمضان افضل مہینہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر مومن اس مہینہ میں عمدہ طریقہ سے عمدہ کام کرے، ذکر واذکار، تلاوت کلام پاک، روزہ، نماز، زکوۃ الغرض ہر طرح کے عمل صالح کو مکمل اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر نبوی طریقے کے مطابق انجام دے، تراویح پروقار وپرشکوہ عبادت کا نام ہے، اس لئے اسے پروقار انداز میں اعتدال واطمینان کے ساتھ ادا کرے، طویل قیام وقراءت کے ساتھ ایسے پڑھے کہ صلوا کما رأیتمونی أصلی۔ (صحیح بخاری، الاذان ۲/۶۳۱ مع الفتح) کی مکمل تصویر بن جائے، آپ ﷺ اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کی خوبصورتی وحسن وجمال اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو اور حضرت عمر نے تمیم داری اور ابی بن کعب کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا تھا، چنانچہ وہ سو آیات پڑھا کرتے تھے اور صحابہ لاٹھی کے سہارے ٹیک لگائے رہتے، نماز اتنی لمبی ہوتی تھی کہ فجر کے وقت وہ نماز سے فارغ ہوتے۔ (موطأ امام مالک ۱/۱۳۷ رقم: ۲۴۸) اگر جماعت میں بوڑھے، کمزور، بچے ہوں تو ان کی رعایت کرتے ہوئے ہلکی بھی پڑھنے کی اجازت

ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھائے، اس لئے کہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار، بوڑھے،ضرورت مند ہوتے ہیں''۔ (صحیح بخاری،الاذان ۱۹۹/۲ مع الفتح وصحیح مسلم،الصلاۃ ۱۸۵/۴ مع النووی)

بہرحال لمبی ہو یا مختصر اعتدال وخشوع کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کی جائے گی، دودو رکعت کرکے یا پھر چار چار رکعت کرکے دونوں طرح پڑھنا حدیث رسول سے ثابت ہے، حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے: "صلاة الليل مثنى مثنى" رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ (صحیح بخاری، الوتر ۴۷۷/۲ مع الفتح وصحیح مسلم، صلاۃ المسافرین ۳۰/۶ مع النووی) اور حضرت عائشہ کی کی حدیث گذری، آپ چار پڑھتے تھے، ان کی طوالت وخوبصورتی کا کیا کہنا، بہتر یہ ہے کہ دو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرلے، اس میں تخفیف وتسہیل ہے۔

رکعات تراویح:

دودو پڑھے یا چار چار، اتنی پڑھے جتنا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، اور صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے، کتب حدیث وسیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان وغیر رمضان میں وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھی ہیں، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: "ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة" (صحیح بخاری، صلاۃ التراویح ۲۵۱/۴ مع الفتح وصحیح مسلم، صلاۃ التراویح ۱۷/۶ مع النووی) گیارہ رکعت ہی سنت موکدہ ہے، اسی لئے حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بیس رکعت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ (۲۰/۲/۲) کی ایک روایت ہے لیکن محققین حافظ ابن حجر (فتح الباری: ۲۵۴/۴) سیوطی (الحاوی للفتاوی ۳/۲ ۷) البانی (صلاۃ التراویح ص ۱۹) نے ضعیف جدا کہا ہے، علامہ نذیر احمد رحمانی (۱۹۶۵م) نے اپنی کتاب انوار مصابیح (۱۴۸-۱۵۰) میں زیلعی، عینی، عبدالحی لکھنوی، انور شاہ کشمیری کو اس کی تضعیف کرنے والوں میں گنایا ہے۔

حضرت عمر کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے بیس رکعت کا حکم دیا تھا، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں، موطأ امام مالک میں گیارہ ہی کا ثبوت ہے، اسی لئے امام شافعی، نووی، البانی نے بیس رکعت کو غیر درست مانا ہے۔ اجماع سے بھی بیس رکعت ثابت نہیں کیونکہ مختلف آثار صحابہ وتابعین میں مختلف عدد کا ذکر ہے، اگر اجماع تھا تو اختلاف کیوں ہوا؟ غالبا یہی وجہ تھی کہ علامہ عینی (عمدۃ القاری ۵۹۷/۳) شوق نیموی (آثار السنن ۵۱/۲) عبدالحی لکھنوی (مجموع فتاوی ۱/ ۳۵۴) گیارہ رکعت کو سنت موکدہ کہا، اب اگر کوئی نفل نماز مان کر گیارہ سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، چاہے بیس پڑھے یا چالیس یا چھتیس پڑھے۔

لمحۂ فکریہ: نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج تراویح کی نماز میں لوگ اعتدال وخشوع اعتبار نہیں کرتے، قراء متعدد مسجدوں میں متعدد ختم قرآن کرانے کے لئے اتنی تیز قراءت کرتے ہیں کہ آیات کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، مصلیان بھی ان

ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں جو خوب تیز پڑھ سکے، وہ سمجھتے ہیں کہ ختم قرآن ہی تراویح کا مقصود ہے، گویا امام ومقتدی دونوں کی نگاہ میں مقصود غیر مقصود ہوگیا اور غیر مطلوب مطلوب ہوگیا، تراویح میں قرآن ختم کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، اس لئے افضل بھی نہیں، اگر ممکن ہو تو قرآن ختم کرلے ورنہ جتنا ممکن ہو سکے پڑھے اور اعتدال سے پڑھے۔شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے۔(دیکھئے الجواب الصحیح من احکام صلاۃ اللیل والتراویح ص ۱۱)

ہمیں امید ہے کہ قراء وائمہ مساجد اور عام مصلیان تراویح کی پرکیف وروح پرور نماز کو بے کیف و بے روح ہونے سے بچائیں گے اور تراویح کی جو فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے اس کو مدنظر رکھ کر سنت نبوی کے مطابق ادا کریں گے، اللہ انہیں اس کی توفیق دے، آمین۔

وظائف واوراد کی عملی تطبیق

ابوطاہر بن عزیز الرحمٰن سلفی
استاد جامعہ اسلامیہ سلفیہ، عبداللہ پور، صاحب گنج

اوراد کے فضائل

صحیح بخاری میں ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مثل الذی یذکر ربه والذی لا یذکر ربه مثل الحي والمیت" اس شخص کی مثال جواللہ کی ذکر کرتا ہےاور جو ذکرنہیں کرتا ہے زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل)

اورمعاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ "أی الأعمال أحب الی الله ؟ قال: ان تموت ولسانك رطب من ذکر الله" اللہ تعالی کے نزدیک کون سا عمل سب سے محبوب ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری موت اس حالت میں ہو کہ تمہاری زبان ذکر اللہ سے تر رہے۔ اسے امام ابن حبان اور امام بزار وغیرہ نے بسند حسن روایت کیا ہے۔(صحیح الوابل الصیب من الکلم الطیب ۸۰ رقم التعلیق :۱)

اسی طرح سنن ابی داود، کتاب اللباس کے آغاز میں بسند حسن مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جوشخص کھانا کھانے کے بعد "الحمد لله الذی أطعمنی هذا الطعام ورزقنيه من غير حول منی ولا قوة" پڑھے گا تو اللہ تعالی اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادے گا، اور جوشخص کپڑا پہنتے وقت "الحمد لله الذی کسانی هذا الثوب ورزقنيه من غير حول منی ولا قوة" پڑھے گا تو اللہ تعالی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے گا۔

کھانے سے قبل ''بسم اللہ'' پڑھنا چاہئے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ذرا غور کریں کہ اوراد ووظائف کی فضیلت کتنی ہے؟ کہ کھانا کھاتے ہیں ہمارا پیٹ بھرتا ہے، کپڑا پہنتے ہیں ہماری ستر پوشی ہوتی ہے، پھر بھی صرف ایک وظیفہ اختیار کر لینے سے ہمارے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

واضح رہے کہ اعمال اوراذکار وغیرہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

وظائف اوراوراد کے فوائد

وظائف واوراداوراد عیہ واذکار کے دنیاوی واخروی بہت سارے فوائد ہیں مثلا درجات کی بلندی،حصول ثواب اور گناہوں کی مغفرت وغیرہ اخروی فائدے ہیں، یوں تو اس کے دنیاوی فائدے بہت زیادہ ہیں،لیکن یہاں پر بطور نمونہ چند فوائد بیان کئے جارہے ہیں:

(۱) فالج یاناگہانی امراض سے محفوظ رہنا

حضرت ابان بن عثمان کا بیان ہے کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص ہردن صبح وشام تین مرتبہ "بسم الله الذين لا يضر مع اسمه شيء في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم" پڑھے گا،اس کوکوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو اچانک کوئی مرض لاحق نہیں ہوگا۔

راوی حدیث ابان بن عثمان جس وقت یہ حدیث بیان کررہے تھے،اس وقت ان کولقوہ کی بیماری لاحق تھی جس کی وجہ سے ان کے شاگردان کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا،اس پر ابان نے فرمایا کہ سنو میں کذب بیانی نہیں کررہا ہوں، نہ ہی عثمان نے رسول پر جھوٹ باندھا ہے، بلکہ جس دن یہ بیماری مجھے لاحق ہوئی ہے اس دن میں غصہ ہوگیا تھا،جس کی وجہ سے یہ وظیفہ پڑھنا بھول گیا تھا۔

(جامع ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما جاء في الدعاء اذا أصبح واذا أمسى وسنن ابی داود، أبواب النوم،باب ما يقول اذا أصبح)علامہ محمد ناصرالدین البانی نے اس کوصحیح قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ایک شرط لگارکھی ہے کہ "جوشخص ہردن صبح وشام اس کو پڑھے گا"،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لقوہ یااچانک کسی مرض سے محفوظ رہنے کے لئے روزانہ صبح وشام بلاناغہ اس کو پڑھنا ضروری ہے،تب یہ ہمارے لئے اچانک کسی مرض سے حفاظت کاذریعہ بن سکتی ہے ورنہ نہیں جیسا کہ ابان بن عثمان کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

(۲) سانپ اوربچھووغیرہ کے زہر سے محفوظ رہنا

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آکرعرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ آج کی رات ایک بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے میں بے چین رہا،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شام کے وقت اگر "أعوذ بكلمات الله التامة من شر ما خلق" پڑھ لیتا تو تمہیں وہ نقصان نہیں پہنچاسکتا۔(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب الدعوات والتعوذ)

جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ ''جو شخص شام کے وقت تین مرتبہ مذکورہ دعا پڑھ لے گا اس کو اس رات میں زہریلے جانور مثلا سانپ بچھو وغیرہ کا زہر کچھ بھی اثر نہیں کرے گا۔(جامع ترمذی، احادیث شتی من ابواب الدعوات، باب نمبر ۱۳، علامہ محمد ناصر الدین البانی کے مطابق اس کی سند صحیح ہے)

یاد رہے کہ مذکورہ ورد سے سانپ اور بچھو وغیرہ کاٹ تو سکتا ہے لیکن اس کا زہر کچھ اثر نہیں کرے گا۔

نیز صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب الدعوات والتعوذ کے اندر فرمان رسول موجود ہے کہ ''مسافر جب کسی جگہ پہنچے اور وہاں اتر کر مذکورہ دعا پڑھ لے تو وہاں سے رحلت کرنے تک اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔

(۳) تھکاوٹ دور ہونا

صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس خادم مانگنے آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جو تمہارے لئے خادم سے بہتر ہو؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کا ورد کرلیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے تب سے اب تک میں نے اس عمل کو کبھی نہیں چھوڑا، ان سے پوچھا گیا کہ صفین کی رات میں بھی آپ نے نہیں چھوڑا؟ انہوں نے کہا ہاں صفین کی رات کو بھی میں نے اسے نہیں چھوڑا۔(صحیح بخاری کتاب الدعوات، باب التکبیر والتسبیح عند المنام، وصحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب التسبیح اول النہار وعند النوم)

معزز قارئین! ذرا غور کریں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ سے خادم طلب کا مطلب کیا تھا؟ صحیح بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ گھریلو کام کاج کرتے کرتے تھک جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ خادم مانگنے آئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں خادم نہ دے کر روحانی دوا دے دیا، اور وہ یہ کہ سوتے وقت مذکورہ ورد کرلیا کریں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تسبیحات کے اندر ایسی تاثیر ہے جو ذاکر کو بدنی طاقت دے سکتی ہے اور اس کی چستی اور ہمت میں اضافہ کرسکتی ہے۔

اس سلسلے میں علامہ ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب ''الوابل الصیب'' کے اندر لکھتے ہیں کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ سوتے وقت ان تسبیحات کے کہنے سے ذاکر کے بدن میں اتنی طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے خادم سے مستغنی کر دیتی ہے۔ (صحیح الوابل الصیب من الکلم الطیب ۱۴۴)

واضح رہے کہ صحیح مسلم کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ کے اندر مروی ہے کہ جو شخص ہر فرض

نماز کے بعد ۳۳ رمرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ رمرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ رمرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ "لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير" کہے گا، اللہ تعالی اس کے گناہوں کو معاف کردے گا اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

بعض لوگ فرض نماز کے بعد تین مرتبہ "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين" مکمل ناپ کر نیکی لینے کے خیال سے پڑھتے ہیں، لیکن یہ حدیث موضوع ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی، رقم الحدیث: ۶۵۲۹)

(۴) شرک سے نجات پانا

نبی ﷺ نے نوفل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رات میں سوتے وقت "قل يا أيها الكافرون" (سورہ کافرون) پڑھو پھر اس کے اختتام پر سوجاؤ کیونکہ یہ شرک سے نجات پانے کا ذریعہ ہے، یہ حدیث صحیح ہے، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح سنن ابی داود، ابواب النوم، باب مایقال عندالنوم)

(۵) شیطان کا دور بھاگنا

جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن ''باب ما جاء في سورة البقرة وآية الكرسي'' کے اندر ایک طویل حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''آیۃ الکرسی پڑھو شیطان تمہارے قریب تک نہیں آئے گا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی گھر میں روزانہ آیت الکرسی پڑھنے کا وظیفہ اختیار کیا جائے تو اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے، اس لئے اگر کسی کو شیطان پریشان کرے اسے اذان دینا چاہئے۔ (صحیح مسلم)

(۶) ذاکر کے لئے من جانب اللہ ایک محافظ کا متعین ہونا

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو بیت المال کا محافظ مقرر کرتے ہیں، رات میں ایک شخص آکر بیت المال سے لپ بھر بھر کر اٹھانے لگتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسے پکڑ لیتے ہیں، وہ معذرت پیش کر کے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دیجئے اور کبھی نہیں آؤں گا، لہذا اسے چھوڑ دیتے ہیں، اس طرح دورات گذر کر تیسری رات بھی وہ پکڑا جاتا ہے، تب وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دیجئے میں آپ کو چند کلمات سکھلا دیتا ہوں، جو

آپ کے لئے نفع بخش ہوں گے، وہ کہتا ہے: "اذا آویت الی فراشك فاقرأ آية الكرسى: الله لا اله الا هو الحي القيوم ...... الآية، فانه لن يزال عليك من الله حافظ، ولا يقربك شيطان حتى تصبح" یعنی رات میں سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ لیا کریں، اللہ تعالی کی جانب سے آپ پر ایک محافظ متعین ہوجائے گا اور صبح تک شیطان آپ کے قریب تک نہیں آئے گا۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "صدقك وهو كذوب" اس نے تم سے سچ کہا ہے لیکن وہ جھوٹا ہے۔تم جانتے ہواے ابوہریرہ وہ کون تھا؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔(صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئا فاجازه الموكل فهو جائز وان اقرضه الى أجل مسمى جاز)

(۷) گھبراہٹ دور ہونا

جامع ترمذی میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بسند حسن مروی ہے کہ اگر کوئی نیند میں ڈر جائے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے: "أعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون" اس سے شیطان کے نقصان پہنچانے کا خطرہ جاتا رہتا ہے۔

اسی حدیث کے اخیر میں مشہور ومعروف صحابی راوی حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا فعل بھی مذکور ہے، وہ یہ کہ ان کی اولاد میں سے جوسن بلوغت کو پہنچ جاتے یا وہ اس دعا کو یاد کرنے کے لائق ہوجاتے تو اسے یہ دعا یاد کرادیتے تھے اور جوسن شعور کو نہیں پہنچے تھے، ان کے لئے ایک کاغذ میں لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے بعض لوگوں نے قرآنی آیات یا ماثور دعاؤں کے ذریعہ تعویذ لٹکانے کے جواز کی دلیل لے لی ہے، لیکن یاد رہے کہ حدیث کا یہ موقوف والا حصہ ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق مشہور مدلس راوی ہیں اور انہوں نے یہاں عنعنہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور مدلس راوی اگر عنعنہ کے ساتھ روایت کرے تو اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے، علامہ محمد ناصر الدین البانی اور علامہ عبید اللہ مبارک پوری رحمہما اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(ضعیف سنن ابی داود ۳۱۲ وضیف سنن الترمذی ۶۱۱ ومرعاۃ المفاتیح ۶/۱۳۰)، اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے راقم کا مضمون ''کیا قرآنی آیات کے ذریعہ تعویذ لٹکانا جائز ہے؟'' کا مطالعہ جو ماہنامہ محدث بنارس ستمبر واکتوبر ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

صبح وشام کے اوراد اور ان کی فضیلت

صبح وشام کے بعض اوراد ماقبل میں گذر چکے ہیں اور بعض کو یہاں بیان کیا جارہا ہے، تمام ادعیہ کو استقصاء کرنے کی

یہاں گنجائش نہیں ہے۔

(۱) صحیح بخاری میں شداد بن اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ دعا ہے: "اللهم أنت ربی لا اله الا أنت خلقتنی وأنا عبدك وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت أعوذ بك من شر ما صنعت أبوء لك بنعمتك علي وأبوء بذنبي فاغفر لی انه لا يغفر الذنوب الا أنت" ترجمہ: اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے، میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے عہد اور وعدے پر جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے قائم ہوں، میں نے جو برے کام کئے ہیں، ان سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور میں تیرے احسان اور اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، میری خطائیں بخش دے، تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔

فضیلت: جس نے یہ دعا اس پر یقین رکھ کر شام کے وقت پڑھی، اگر اسی رات اس کا انتقال ہوگیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے یہ دعا اس پر یقین رکھ کر صبح کے وقت پڑھی اور اسی دن اس کا انتقال ہوگیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲) صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح وشام سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کہے گا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے افضل عمل نہیں لے کر آئے گا، سوائے اس شخص کے جس نے اسی کے مثل یا اس سے زیادہ کلمات کہے ہوں۔

اس حدیث کو امام ابوداود نے بھی بسند صحیح روایت کیا ہے مگر اس میں ''سبحان اللہ العظیم وبحمدہ'' ہے۔ اور حاکم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ شیخ زکریا بن غلام قادر پاکستانی محقق کتاب "المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح" نے حاکم کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے فضائل اعمال ناشر الدار السلفیہ بمبئی ۵۴۴۔

ملاحظہ: صحیح مسلم کی ایک روایت میں صبح وشام کی قید کے بغیر اسے دن میں سو مرتبہ کہنے کا ذکر ہے، جیسا کہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کہا، اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء)

یاد رہے کہ بیک وقت سو مرتبہ کہنا ضروری نہیں بلکہ دو، تین، چار، پانچ یا دس بیٹھک ملا کر اگر دن بھر میں سو مرتبہ پورا کرلے تب بھی یہی ثواب ملے گا، ان شاء اللہ۔

(۳) سنن ابی داود، ابواب النوم، باب مایقول اذا أصبح کے اندر عبداللہ بن خبیب سے بسند حسن مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم صبح وشام تین مرتبہ "قل هو الله أحد" اور معوذتین یعنی "قل أعوذ برب الفلق" اور "قل أعوذ برب الناس" پڑھو، یہ تمہارے لئے ہر چیز سے کافی ہوگی۔

(۴) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن میں سو مرتبہ یہ دعا کہے گا: "لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو على كل شيء قدير"۔

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فضیلت: تو یہ اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹادی جائیں گی اور اس دن شام تک وہ شیطان سے محفوظ رہے گا اور کوئی بھی شخص اس سے افضل عمل نہ لاسکے گا الا یہ کہ کسی نے اس سے بھی زیادہ ان کلمات کو کہا ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التہلیل وصحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء)

معزز قارئین! صبح وشام کے اوراد کی فہرست بہت لمبی ہے، عمل کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، مذکورہ تمام اوراد احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، لیکن صد افسوس! میرے ان بھائیوں پر جو احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر ضعیف اور موضوع احادیث میں مروی اوراد پر عمل کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

بعض لوگ مغرب اور فجر کی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کسی سے بات کرنے سے قبل سات مرتبہ "اللهم أجرني من النار" جہنم سے چھٹکارا پانے کی نیت سے پڑھتے ہیں، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، علامہ محمد ناصر الدین البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف سنن ابی داود، ابواب النوم، باب ما یقول اذا اصبح ۴۱۴ - ۴۱۵، وسلسلۃ الحدیث الضعیفۃ والموضوعۃ، رقم الحدیث: ۱۶۲۴)

(جاری)

☆☆☆

دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے متعلق ایک انٹرویو

زیر نظر تحریر مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے متعلق مولانا محمد صاحب اعظمی، سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو سے لئے گئے ایک انٹرویو پر مشتمل ہے، موصوف نے ۱۹۴۶ء میں اس عظیم الشان ادارہ میں جماعت رابعہ میں داخلہ لیا تھا، افسوس کہ صرف ایک سال بعد ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ادارہ بند ہوگیا، اور موصوف نے دیگر اداروں میں اپنی تعلیم مکمل کی، اس تاریخ ساز ادارہ میں آپ نے ایک سال کا عرصہ گزارا تھا اور وہاں کے تعلیمی وتربیتی نظام کو قریب سے دیکھا تھا، لہذا ہم نے یہ سوالات ان کی خدمت میں پیش کرکے جواب مرحمت فرمانے کی درخواست کی، جسے انہوں نے منظور فرمایا اور بہت ہی اہم اور تاریخی معلومات پر مشتمل جوابات عنایت فرمائے، فجزاہ اللہ خیرا۔ افادہ عام کی خاطر یہ انٹرویو ماہنامہ محدث میں شائع کیا جارہا ہے۔ (ابوطارق)

سوال نمبر۱: رحمانیہ میں داخلہ امتحان کے کیا اصول وضوابط تھے؟ آپ کا داخلہ کب اور کس طرح ہوا؟

جواب نمبر۱: مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی میں کوئی فارم داخلہ نہیں ہوتا تھا، طلبہ کا داخلہ شفوی امتحان کے ذریعہ ہوا کرتا تھا، اور اسی امتحان میں دیگر کوائف بھی معلوم کئے جاتے تھے، مشرقی اترپردیش کے امیدوار طلبہ کے لئے یہ سہولت تھی کہ رمضان المبارک کی تعطیل میں ''املومبارکپور'' (اعظم گڈھ) جاکر مولانا نذیر احمد املوی (ناظم تعلیمات رحمانیہ) کی خدمت میں امتحان داخلہ دیتے اور نتیجہ سے آگاہ ہوجایا کرتے۔

میرا داخلہ ۱۹۴۶ء میں ہوا تھا، عید کی باسی میں مولانا املوی کے مکان پر میرا امتحان ہوا، اور فیصلہ ہوا کہ جماعت رابعہ میں داخلہ میرے لئے زیادہ مفید ہوگا۔

سوال نمبر۲: کن کن اساتذہ سے آپ نے کون کون سی کتابیں پڑھیں؟ ان کے پڑھانے کا انداز کیا ہوتا تھا؟ درس سے متعلق کوئی قابل ذکر واقعہ یاد ہو تو ذکر فرمائیں۔

جواب نمبر۲: رحمانیہ کے جن اساتذہ سے کتابیں پڑھیں، ان کے اسماء گرامی مع متعلقہ کتب یہ ہیں:

مولانا نذیر احمد املوی سے شرح وقایہ ج ۲، مولانا عبدالصمد مبارکپوری سے ترجمتین وانشاء، مولانا محمد عبدہ پنجابی سے مشکاۃ ج ۲، مولانا عبدالمعز سے قطبی اور تلخیص المفتاح۔

ان کے اسلوب درس کے بارے میں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیانت وامانت کے ساتھ افہام وتفہیم کی بھرپور کوشش ہوتی تھی۔

سوال نمبر۳: آپ کے وقت میں رحمانیہ کے مہتمم کون تھے؟ ان کے معمولات اور مدرسہ میں آمدورفت وغیرہ کے بارے میں کچھ بتلائیں۔

جواب نمبر۳: ہمارے زمانے میں شیخ عبدالوہاب بن شیخ عطاء الرحمٰن دہلوی مہتمم مدرسہ تھے، دہلی کے سرمایہ داروں میں ان کا شمار دوسرے نمبر ہوتا تھا، صدر بازار دہلی میں ان کی عالی شان دکان تھی، ان کے والد اس مدرسہ کے بانی اور مہتمم اول تھے، اور زیادہ تر مدرسہ کے انتظام اور نگرانی میں اپنے کو وقف کئے رہتے تھے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب نے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی، وہ ایک روز ناغے سے اپنی کار میں آتے اور گیٹ ہی پر مدرسہ کے منشی سے حال دریافت کرکے واپس چلے جایا کرتے، اگر کوئی خاص مسئلہ ہوتا تو اندر تشریف لے جاتے، اور ناظم تعلیمات مولانا نذیر احمد سے تبادلہ خیال فرماتے۔

مجھے اپنی یک سالہ مدت تعلیم میں ان کو دوبار قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، پہلی دفعہ عیدالاضحیٰ کے ایک روز قبل تمام طلبہ کو عیدی تقسیم کرتے وقت، دوسری مرتبہ امتحان سالانہ کے نتائج اور تقسیم انعامات کی مجلس میں۔

سوال نمبر۴: آپ کے وقت میں رحمانیہ کے صدر مدرس کون تھے؟ طلبہ کی نگرانی، تادیب اور سزا وغیرہ سے متعلق ان کا کیا رخ ہوتا تھا؟ طلبہ کے نماز کی نگرانی کا کیا نظم تھا؟

جواب نمبر۴: دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں صدر مدرس کا کوئی عہدہ نہیں تھا، درجات عالیہ کا کوئی باصلاحیت وتجربہ کار استاذ، ناظم تعلیمات ہوا کرتا تھا، جو تعلیم وتعلم اور طلبہ واساتذہ کے نظم وضبط کی خدمت بھی انجام دیتا تھا، طلبہ کی نگرانی کے سلسلے میں اسے تادیبی کارروائی کا اختیار حاصل ہوتا تھا، ہمارے زمانے میں مولانا نذیر احمد املوی رحمانی ناظم تعلیمات تھے، اور مجلّہ ''محدث'' کے مدیر بھی تھے۔ دوسرا اہم منصب ''محدث'' یا ''شیخ الحدیث'' کا ہوتا تھا، حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، اس منصب جلیل پر فائز تھے، جو درس حدیث میں بہت مخلص اور قدر ماوجب سے کہیں زیادہ محنت اور وقت صرف کرتے تھے، ان کا درس حدیث روایت ودرایت دونوں پہلوؤں سے مثالی ہوتا تھا، نماز فجر کے بعد سے تا عصر جاری رہتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کے تلامذہ میں ذوق حدیث غالب ہوتا تھا، شیخ الحدیث موصوف کا تعلق انتظامی امور سے نہیں تھا، لیکن ان کی علمی جلالت ہر چیز پر بھاری ہوتی تھی، اساتذہ وطلبہ اور تمام اسٹاف غایت درجہ ان کا احترام کیا کرتا تھا، ان کی جھلک دیکھتے ہی

سراپائے ادب بن جاتا، اوران کی ہر خدمت کے لئے سبقت کرتا تھا، حالانکہ وہ خود کسی سے خدمت لینے سے گریز کرتے تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

علاوہ ازیں مدرسہ کے گیٹ پر دائیں بائیں دو کمرے ہوتے تھے، ایک میں جنرل منشی اور دوسرے میں چوکیدار کی رہائش ہوتی تھی، منشی موصوف کا مقام مہتمم صاحب کے نائب جیسا ہوتا تھا، حساب کتاب وغیرہ لکھنے کی خدمت انجام دینے کے ساتھ رات میں طلبہ کے کمروں میں ان کی موجودگی کو غیر محسوس انداز میں نوٹ کیا کرتے تھے۔

پنجوقتہ نمازوں میں طلبہ کی حاضری فرض نماز سے فراغت کے بعد ہوا کرتی تھی اور ایک معین طالب علم کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوتی تھی، فجر کے وقت موذن اذان دے کر طلبہ کو جگانے کے لئے لاٹھی سے ان کے کمروں کے دروازے یا ان کی چارپائی کے پائے زور زور سے پیٹتا تھا، غیر حاضری پر مطبخ سے کھانا ملنا موقوف ہوجایا کرتا تھا، جمعہ کے روز نماز عصر کی حاضری نہیں ہوتی تھی، اگر کوئی طالب علم سنیما بینی کا مرتکب ہوتا تو اس کا اخراج فوراً اور لازماً ہوتا، یہاں تک کہ اس جرم کا مشتبہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوتا تھا۔

سوال نمبر ۵: مدرسہ کی انجمن کیسی تھی؟ اس کا کیا نام تھا؟ کچھ اس کے اصول وضوابط اور عہدیداران وغیرہ کے بارے میں بھی بتائیے۔ تقریر وغیرہ کا کیا نظم تھا؟ کیا انجمن کی کوئی لائبریری اور دارالاخبار بھی تھا؟

جواب نمبر ۵: طلبۂ مدرسہ کی انجمن کا نام یاد نہیں ہے، اس کے اصول وضوابط، عہدیداران کا انتخاب اور ہفتہ وار اجلاس کا نظام تقریباً آج کے مدارس ہی کی طرح تھا، انجمن کی لائبریری بھی تھی، سکریٹری انجمن ہفتہ وار اجلاس کا لائحہ عمل اس طرح تیار کرتا تھا کہ ہر مقرر کے عنوان تقریر کے ساتھ اس کے مصدر (کتاب یا رسالہ) کی نشان دہی بھی ہوتی تھی، ہر ہفتہ وار اجلاس میں اول ودوم پوزیشن والے کو دو اور ایک روپیہ انعام مقرر تھا

کبھی بعض مناسبات سے انجمن کا خصوصی اجلاس بھی ہوتا تھا، مثلاً عید الاضحیٰ اور عاشوراء وغیرہ، سالانہ اختتامی انجمن امتحان سالانہ سے پہلے ہونے کے بجائے نتائج امتحان سنائے جانے کے بعد ممتحن کی زیر صدارت ہوا کرتی تھی، اور وہی پوزیشن حاصل کرنے والے مقرر کا فیصلہ کرتے تھے۔

سوال نمبر ۶: مدرسہ کی لائبریری کیسی تھی؟ اس کی کچھ تفصیلات بتائیں۔

جواب نمبر ۶: مدرسہ رحمانیہ کی لائبریری ایک وسیع کمرے میں تھی، اس کا تفصیلی مشاہدہ وجائزہ لینے کا کبھی موقع نہیں ملا، البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس میں قیمتی اور نادر کتابوں کے علاوہ کچھ مخطوطات بھی تھے، جن میں قاضی شوکانی کے قلمی نسخے بھی تھے، تقسیم ہند کے وقت مہتمم مدرسہ نے مدرسہ کو جامعہ ملیہ کے حوالہ کردیا تھا، معلوم نہیں اس عظیم لائبریری کا انجام کیا ہوا؟

سوال نمبر۷: تعلیم میں طلبہ کی محنت اور دلچسپی وغیرہ پر کچھ روشنی ڈالیں۔

جواب نمبر۷: امتحان داخلہ سخت ہوتا تھا، اس میں کسی سفارش یا رعایت کی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اس سے زیادہ امتحانات سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ میں مثالی سختی رہتی تھی، اس لئے وہی طلبہ تعلیمی سلسلہ جاری رکھ پاتے جو محنتی اور علمی پختگی کے شوقین ہوتے تھے۔

سوال نمبر۸: رحمانیہ میں پڑھنے والے طلبہ کے جس قدر نام یاد ہوں ذکر فرمائیں۔ مئو کے کن کن لوگوں نے رحمانیہ سے فیض حاصل کیا اس کا بھی تذکرہ فرمائیں۔ (اپنے رفقائے درس کے ساتھ)

جواب نمبر۸: رحمانیہ دہلی میں پڑھنے والے طلبہ یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کے نام بھی یاد نہیں رہ گئے ہیں، سوائے چند کے، ایک مولانا عبدالقیوم راجستھانی، دوسرے مولوی خلیل الرحمٰن، سیونی، مدھیہ پردیش، تیسرے مولانا عزیز احمد سابق صدر مدرس جامعہ رحمانیہ بنارس (رحمانیہ دہلی میں موصوف ''بیت اللہ'' کے نام سے معروف تھے، معلوم نہیں یہ نام کب تبدیل ہوا؟) اول الذکر سے کبھی کبھار مراسلاتی اتصال رہتا ہے۔

رحمانیہ دہلی میں میری مدت تعلیم صرف ایک سال رہی، جو مدرسہ کی حیات کا آخری تھا، اس سال میں تین طلبہ (مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی، مولانا محمد خلیل بستوی، مولانا محمود حسن بہاری) فارغ ہوئے تھے، رحمانیہ سے فارغین کا یہ آخری بیچ تھا۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں تعلیمی افتتاح مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے درس سے ہوا تھا، مولانا موصوف کا اپنا مدرسہ سیالکوٹ میں دارالحدیث کے نام سے چل رہا تھا، مہتمم رحمانیہ دہلی کی دعوت پر اپنے مدرسہ وطلبہ سمیت دہلی منتقل ہوگئے، ان طلبہ میں مئو کے کئی ہونہار منتہی طلبہ بھی تھے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: حکیم مولانا عصمت اللہ رحمانی، حکیم مولانا محمد سلیمان رحمانی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی رحمانی رحمہم اللہ، یہ حضرات دارالحدیث رحمانیہ کے اولین متخرجین میں سے تھے، مولانا حکیم محمد سلیمان نے اس میں آٹھ سال تک تدریسی خدمت بھی انجام دیا تھا۔

میری ناقص معلومات کے مطابق مذکور فضلاء رحمانیہ کے علاوہ مئو کے جن اہل علم نے رحمانیہ سے اکتساب فیض کیا ہے، ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے مئو کے جامع المعقول والمنقول مولانا احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) کے زمانۂ تدریس رحمانیہ میں تعلیم حاصل کی ہے، ان سب کے نام مجھے معلوم نہیں ہیں، آخری دور کے فیض یافتگان میں مولانا مختار احمد اختر، مولانا حکیم عبدالباقی اور مولانا مختار احمد ندوی کے نام یاد آرہے ہیں۔

سوال نمبر۹: رحمانیہ سے متعلق اور کوئی قابل ذکر بات؟

جواب نمبر۹: دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں قدیم نصاب تعلیم (درس نظامی) مکمل طور پر پڑھایا جاتا تھا، اس میں معقولات کا غلبہ تھا، ہر کتاب کو تاحد نصاب پڑھانا لازم تھا، ورنہ مدرس زیر مؤاخذہ آتا، بلکہ بعض دفعہ عقاب برطرفی سے دوچار ہوتا، نصاب

کتاب کثیر المقدار ہوتا تھا، مثلا جماعت رابعہ میں قطبی تصدیقات اور تلخیص المفتاح کامل شش ماہی تک ختم کر کے ان کی جگہ سبعہ معلقہ اور اقلیدس کا درس سالانہ تک ہوتا تھا۔

سالانہ امتحان کے خاص و معین ممتحن پنجاب کے جامع المعقول والمنقول مولانا عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ تھے، ان کے پاس سالانہ مقدار خواندگی نہیں بھیجی جاتی تھی، بلکہ نصاب تعلیم کے مطابق وہ خود ہر کتاب کے سوالات مرتب کر کے خود ہی طبع کرا کر تاریخ امتحان سے ایک روز پہلے اپنے دو خاص عزیزوں کے ہمراہ مدرسہ میں تشریف لاتے، اور کسی استاذ اور مہتمم سے ملاقات کئے بغیر لائبریری میں مقیم ہو جاتے، ان کے سوالات تین عدد سے زیادہ نہیں ہوتے، اور وہ بھی انتہائی مختصر، ان کے دونوں عزیز اپنی سخت ترین نگرانی میں امتحان کے فرائض انجام دیتے، مولانا روپڑی روزانہ کا پیاں جانچنے میں مشغول رہتے۔

واضح رہے کہ رحمانیہ میں ایک وسیع امتحان ہال تھا، جو صرف امتحان کے دنوں میں کھلتا، پھر بند پڑا رہتا تھا، طلبہ نے اس کا نام دارالتسخیر رکھا تھا، امتحان ہونے کے بعد دوسرے روز اسی ہال میں جناب مہتمم اور تمام اساتذہ وطلبہ جمع ہوتے، اور مولانا روپڑی نتائج سناتے، اور ہر مستحق انعام طالب علم کی نشاندہی کرتے جاتے جس کے مطابق مہتمم صاحب رقم عطا فرماتے۔

شرح انعامات: ہر جماعت میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم کو دس روپئے
حدیث میں زیادہ نمبر پانے والے کو دس روپئے
تفسیر میں زیادہ نمبر پانے والے کو دس روپئے
سوالات کے جواب عربی میں لکھنے والے کو دس روپئے
نماز میں کبھی غیر حاضر نہ رہنے والے کو دس روپئے
سالانہ انجمن میں اول ودوم پوزیشن والے کو چار اور دو روپئے

سوال نمبر ۱۰: آپ کی نظر میں وہ کیا اسباب وعوامل تھے جنہوں نے رحمانیہ کو کامیابی کی اعلی مدارج طے کرائے؟ اور کیا دوبارہ اس طرح کے مثالی ادارے کا قیام ممکن نہیں ہے؟

جواب نمبر ۱۰: دارالحدیث رحمانیہ دہلی کو ہر زاویے سے دیکھنے سمجھنے اور دوسرے تعلیمی احوال وکیفیات سے پوری طرح واقفیت کا مجھے موقع نہیں ملا، اس کے دو اسباب ہیں، ایک یہ کہ اس مدرسہ میں میرے یک سالہ زمانہ کا اہم حصہ طویل وسنگین علالت میں گذرا، دوسرے یہ کہ ملک کو درپیش آزادی اور تقسیم کے تعلق سے دہلی میں فرقہ وارانہ فساد کی لہریں چلنا شروع ہو گئی تھیں، اس لئے کوئی چیز اپنے معمول پر جاری نہیں رہ سکی تھی، اس خوف وہراس کے ماحول میں احتیاط اور تحفظ کی تدبیروں پر عمل مقدم ہوتا تھا۔

اس مدرسہ کا بنیادی نصب العین یہ تھا کہ اس کا فیض یافتہ سچا پکا عالم دین ہو، علم وعمل میں اتنی صلاحیت واہلیت کا مالک ہو کہ جس علمی میدان میں عملی زندگی اختیار کرے اس میں خوداعتمادی کے ساتھ کامیاب رہے، چنانچہ یہ وصف اس کے فضلاء میں موجود ہوتا تھا، اس مقصد کے لئے تعلیم وتربیت کا سخت نظام نافذ تھا، اس پر عمل میں کوئی ادنی کوتاہی یا لاپروائی ناقابل برداشت ہوتی تھی، چونکہ یہ مدرسہ شخصی تھا، اس لئے کسی معاملے میں دوسروں کی مداخلت کا کوئی تصور نہیں تھا، اس سخت معیاری تعلیم کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ طلبہ وفارغین کی کثرت وقلت اس کے معیار کو کسی طرح متاثر نہیں کرتی تھی، اصل چیز کیفیت ہوتی تھی، کمیت نہیں، یہی وجہ تھی کہ درجات علیا تک پہنچتے پہنچتے طلبہ کی تعداد بہت قلیل ہوجاتی تھی، یہاں تک کہ بعض دفعہ سنۃ الشہادۃ میں ایک یا دو طلبہ باقی رہ جاتے تھے۔

ترھیب وتشدید کے ساتھ تسہیل وترغیب بھی ہم سفر ہوتی تھی، اساتذہ وطلبہ کو تشجیعی آسائشیں اور سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں، مثلاً موسم سرما میں ہر طالب علم کو لحاف اور گدے دیئے جاتے، کبھی کبھار تفریحی مقامات کی سیر کرائی جاتی، موسم کے لحاظ سے میووں وپھلوں سے تواضع کی جاتی، عیدالاضحیٰ کے موقع پر عیدی دی جاتی، اور مہتمم صاحب کے گھر سے اسپیشل کھانے بھیجے جاتے، کسی دوسرے کی دعوت قبول کرنے کی اجازت نہیں تھی، یہ مدرسہ طلبہ واساتذہ کی ضروریات وسہولیات کے معاملے میں اس حد تک خودکفیل تھا کہ طلبہ کے کھیل کود کے لئے اس کے پاس مدرسہ سے متصل اپنا ایک میدان تھا، جو صرف طلبہ کے کھیل کود کے لئے خاص تھا، ان کو ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

اساتذہ کے لئے ہفتہ میں ایک یا دو وقت مہتمم صاحب کے گھر سے مخصوص کھانے آتے تھے، جس زمانے میں جامعہ دار السلام عمرآباد جیسے عظیم ادارے میں صدر مدرس کو ساٹھ ستر روپئے تنخواہ ملتی تھی، رحمانیہ کے اونچے شیوخ کو ایک سو سے ڈیڑھ سو تک تنخواہیں دی جاتی تھیں، اس طرح کی اور بھی رعایتیں اور قدر افزائیاں طلبہ واساتذہ کو حاصل ہوا کرتی تھیں۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مثالی ادارے کا قیام دوبارہ ممکن ہے؟ دنیا تو ممکنات سے عبارت ہے، مگر ہر چیز حالات زمانہ کے تقاضوں پر بنتی بگڑتی بلکہ وجود پذیر ہوتی ہے، اب مادیت کا دور ہے، تعلیم چاہے دینی ہو یا عصری، اس کے کارخانے مذہبی نام سے ہوں یا دنیاوی، ان میں رجال سازی کے بجائے وہ سب کچھ ہوتا ہے جو تجارت، سیاست اور دیگر نام نہاد مہذب پیشوں میں ہوا کرتا ہے، اس عالم گیر صورت حال میں اگر بالفرض رحمانیہ دہلی جیسی تعلیمی درسگاہ قائم کی جائے تو یہ جدید دنیا اس کو کس طرح قبول کرسکتی ہے؟ کیونکہ ہر خدمت کے لئے زمانہ نے جس چیز کو معیار بنایا ہے وہ صرف ڈگری اور مخدومین ومسئولین کا اپنا مفاد ہے، علمی وعملی اور تربیتی اہلیت کیا ہے؟ اس سے کوئی سروکار نہیں۔

☆☆☆

میت کی تدفین کے بعد قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ایک دلیل قصہ تدفین عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا تحقیقی جائزہ

فاروق عبداللہ اشرف فیضی
صاحب گنج، جھارکھنڈ

دوسری حدیث: عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی تدفین کا واقعہ عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ان کی حدیث کو امام ابونعیم الاصفہانی رحمہ اللہ نے ''معرفۃ الصحابۃ'' میں حدیث ابن مسعود کے بعد دو سندوں سے روایت کیا ہے جو یکے بعد دیگرے درج ذیل ہیں:

أخبرنا ابراهيم بن محمد الديلى فيما أجاز لى، ثنا أحمد بن زيد بن هارون القزاز عن ابراهيم بن المنذر حدثنى ابراهيم بن علي الرافعي حدثنى كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف عن أبيه عن جده أن عبد الله ذا البجادين هلك فى غزوة تبوك فذكر مثله وقال: قال أبو بكر الصديق: وددت والله انى صاحب الحفرة۔ ''عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عبداللہ ذوالبجادین غزوۂ تبوک میں وفات پا گئے، پھر انہوں نے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے مثل حدیث بیان کی (جس میں قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے) اور انہوں نے کہا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میری تمنا ہوئی کہ کاش یہ میری قبر ہوتی''۔(۲۴)

وحدثنا سليمان بن أحمد فى المعجم الأوسط ثنا مسعدة بن سعد ثنا ابراهيم بن المنذر

(۲۴) معرفۃ الصحابۃ للحافظ ابی نعیم الاصفہانی (۱۳۶/۳) حدیث نمبر (۴۱۲۲)
(۲۵) معرفۃ الصحابۃ للحافظ ابی نعیم الاصفہانی (۱۳۶/۳) حدیث نمبر (۴۱۲۳)
(۲۶) دیکھیں: تقریب التہذیب لابن حجر ترجمہ نمبر (۲۲۱)

ثنا ابراهيم بن على بن حسن بن أبى رافع ثنا كثير بن عبد الله عن أبيه عن جده عن عبد الله ذى البجادين الذى هلك فى غزوة تبوك انه نزل فى حفرته وقال لأبى بكر وعمر: "أدليا اليّ أخاكما" الحديث ا هـ.

کثیر بن عبداللہ کے دادا (عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ) عبداللہ ذوالبجادین جو غزوۂ تبوک میں وفات پا گئے تھے کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ انتقال کر گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی قبر میں اترے اور ابوبکر وعمر سے کہا: ''اپنے بھائی کو مجھے تھماؤ'' آگے بقیہ حدیث ذکر کی۔(۲۵)

یہ سند سخت ضعیف یا موضوع ہے، کیونکہ اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

(۱) ابراہیم بن علی بن حسن بن ابی رافع الرافعی ضعیف ہے۔(۲۶)

(۲) ابراہیم بن علی کا شیخ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی سخت ضعیف ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے "منكر الحديث ليس بشيء" کہا ہے، امام یحییٰ بن معین نے کہا ہے: "ضعيف الحديث"، امام ابوزرعہ رازی نے کہا ہے: واهي الحديث ليس بقوي" اور ابوحاتم رازی نے کہا ہے: "ليس بالمتين" (۲۷) امام نسائی نے کہا ہے: "متروك الحديث" (۲۸) اور امام ابواسحاق الجوزجانی نے کہا ہے: "ضعيف الحديث". (۲۹)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''المجروحین'' میں ان پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، فرماتے ہیں: "منكر الحديث جدا يروى عن أبيه عن جده بنسخة موضوعة لا يحل ذكرها فى الكتب ولا الرواية عنه الا على جهة التعجب وكان الشافعى رحمه الله يقول: كثير بن عبد الله المزنى ركن من أركان الكذب" ''بہت زیادہ منکر الحدیث ہے، ''عن ابیہ عن جدہ'' کے طریق سے ایک من گھڑت صحیفہ روایت کرتا ہے، کتابوں میں نہ اس کا تذکرہ کرنا جائز ہے اور نہ اس سے روایت کرنا، ہاں! بطور تعجب ذکر کیا جا سکتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے تھے: کثیر بن عبداللہ المزنی

(۲۷) دیکھیں: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی (۷/۱۵۴) ترجمہ نمبر (۸۵۸)

(۲۸) کتاب الضعفاء والمتروکین للامام النسائی (ص ۲۲۸) ترجمہ نمبر (۵۰۴) مطبوع ضمن کتاب الضعفاء الصغیر للامام البخاری بتحقیق محمود ابراہیم زائد من دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶م۔

(۲۹) احوال الرجال لابی اسحاق الجوزجانی (ص ۱۳۸) ترجمہ نمبر (۲۳۵) مطبوعۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵م بتحقیق السید صبحی البدری السامرائی۔

جھوٹ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے‘‘۔(۳۰)

(۳) کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی کے شیخ اور والد (عبداللہ) کو ابن حبان نے ’’الثقات‘‘ میں ذکر کیا ہے۔(۳۱) اور حافظ ابن حجر نے ’’مقبول‘‘ کہا ہے۔(۳۲) اور حافظ ابن حجر کے ’’مقبول‘‘ کہنے کا مطلب خود ان کی تصریح کے مطابق یہ ہے: "مقبول حيث يتابع والا فلين الحديث" یعنی اگر ان کی متابعت کی جائے تو مقبول ہیں ورنہ لین الحدیث یعنی ضعیف‘‘۔(۳۳) اور یہاں پر میرے علم کے مطابق کسی نے ان کی متابعت نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لئے ان کی یہ روایت غیر مقبول ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ سند مذکورہ بالا علتوں کی بنا پر سخت ضعیف ہے یا امام ابن حبان کی جرح کے مطابق موضوع ہے کیونکہ یہاں پر کثیر بن عبداللہ المزنی نے ’’عن ابیہ عن جدہ‘‘ کی سند سے روایت کیا ہے، واللہ اعلم۔

تیسری حدیث: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان رجلا كان يرفع صوته بالذكر، فقال رجل: لو أن هذا خفض من صوته، فقال رسول الله ﷺ: "فانه أواه" قال: فمات فرأى رجل نارا فى قبره فأتاه فاذا رسول الله ﷺ فيه وهو يقول: "هلموا اليّ صاحبكم" فإذا هو الرجل الذى كان يرفع صوته بالذكر" ’’ایک شخص بلند آواز سے ذکر واذکار کرتا تھا تو ایک شخص نے کہا کہ کاش! یہ اپنی آواز کو پست کرتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ’’اواہ‘‘ ہے، راوی حدیث (جابر بن عبداللہ) فرماتے ہیں: اس شخص کی وفات ہوگئی تو ایک آدمی نے اس کی قبر میں آگ دیکھی تو وہاں تک گیا، چنانچہ دیکھا کہ آپ ﷺ اس کی قبر میں ہیں اور کہہ رہے ہیں: ’’تم لوگ اپنے ساتھی کو میرے پاس لاؤ‘‘ تو یہ وہی شخص تھا جو بلند آواز سے ذکر واذکار کرتا تھا‘‘۔(۳۴)

(۳۰) کتاب المجروحین من المحدثین لابن حبان (۲۲۶/۲) ترجمہ نمبر (۸۹۰) مطبوعہ دار الصمیعی ریاض، سعودی عرب، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۰ھ=۲۰۰۰م بتحقیق حمدی عبدالمجید السّلفی۔

(۳۱) دیکھیں: تہذیب الکمال للمزی (۳۶۷/۱۵) ترجمہ نمبر (۳۴۵۴) وتہذیب التہذیب لابن حجر (۳۰۰/۵) ترجمہ نمبر (۳۶۱۷) مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان بتحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطا۔

(۳۲) تقریب التہذیب لابن حجر، ترجمہ نمبر (۳۵۲۷)

(۳۳) مقدمہ تقریب التہذیب لابن حجر (ص ۸۱) بتحقیق ابوالاشبال الباکستانی۔

(۳۴) سنن ابی داود حدیث نمبر (۳۱۶۴) طبع مشہور حسن سلمان، المعجم الکبیر للطبرانی (۱۸۲/۲) حدیث نمبر (۱۷۴۳)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الثانیۃ بتحقیق حمدی عبدالمجید السّلفی، المستدرک علی الصحیحین للحاکم (۶۹۸/۱) حدیث نمبر (۱۴۰۱) باللفظ المذکور وبلفظ آخر حدیث نمبر (۱۴۰۲) مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸م اور امام حاکم نے کہا ہے: ’’یہ مسلم کی شرط پر صحیح حدیث ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ والسنن الکبری للبیہقی (۵۳،۳۱/۴) توزیع مکتبۃ المعارف، ریاض۔

اس کی سند ''حسن'' ہے، البتہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس کی سند میں واقع محمد بن مسلم طائفی اگر چہ فی نفسہ ثقہ ہے مگر از روئے حفظ ضعیف ہے۔(۳۵) علامہ نے اسی طرح کہا ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ محمد بن مسلم طائفی حسن الحدیث ہے، البتہ حفظ سے روایت کرنے میں غلطی کرتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل ''سئی الحفظ'' یا ''ضعیف الحدیث'' ہونے کی وجہ سے ضعیف الحدیث ہے، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کہا ہے: "صدوق يخطيء من حفظه" صدوق ہے حفظ سے (روایت کرتے وقت) غلطی کرتا ہے۔(۳۶)

چوتھی حدیث: مذکورہ بالا قصہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے امام حاکم نے روایت کیا ہے: أخبرنا أبوالحسن على بن محمد بن عقبة الشيباني حدثني أبى ثنا وكيع عن شعبة ، وأخبرني الحسين بن على ثنا محمد بن اسحاق ثنا بندار ثنا محمد ثنا شعبة عن أبى يونس وهو حاتم بن أبى صغيرة قال: سمعت رجلا كان بمكة وكان روميا – وفى حديث شعبة اسمه وقاص – يحدث عن أبى ذر قال: كان رجل يطوف بالبيت وهو يقول فى دعائه: أوه أوه، فقال رسول الله ﷺ: انه لأواه قال أبو ذر فخرجت ذات ليلة فإذا النبى ﷺ فى المقابر يدفن ذلك الرجل ومعه المصباح"۔ (۳۷)

''ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بیت اللہ کا طواف کرتے وقت اپنی دعا میں اوہ اوہ کہتا تھا تو رسول اللہ نے فرمایا: "أواه" ہے، ابوذر نے کہا: پھر ایک رات میں باہر نکلا تو اچانک نبی ﷺ کو قبرستان میں دیکھا آپ اس آدمی کو دفن کر رہے تھے اور آپ کے پاس چراغ تھا''۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی اسناد کو معضل کہا ہے۔(۳۸) اور امام بیہقی نے ''السنن الکبری'' (۳۹) میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً مختصراً روایت کیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز'' (۴۰) میں کہا ہے: "فيه رجل لم يسم" اس میں ایک راوی ایسا ہے جس کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سند بھی ضعیف ہے۔

---

(۳۵) احکام الجنائز وبدعھا للالبانی (ص ۱۸۰) مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض، الطبعۃ الاولی للطبعۃ الجدیدۃ ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲م۔

(۳۶) تقریب التہذیب لابن حجر، نمبر (۶۳۳۳)

(۳۷) المستدرک علی الصحیحین للحاکم (۶۹۸/۱-۶۹۹) حدیث نمبر (۱۴۰۳)

(۳۸) مصدر سابق۔

(۳۹) السنن الکبری للبیہقی (۳۱/۴)

(۴۰) احکام الجنائز وبدعھا للالبانی (ص ۱۸۱)

پانچویں حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فأسرج له سراج فأخذه من قبل القبلة وقال: "رحمك الله ان کنت لأواها تلاء للقرآن" وکبّر علیه أربعا" ''نبی ﷺ ایک رات قبر میں داخل ہوئے تو آپ کے لئے چراغ روشن کیا گیا پھر آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا اور فرمایا: ''اللہ تم پر رحم کرے بے شک تم آہیں بھرنے والے (خوب گریہ وزاری کرنے والے) اور قرآن کی بکثرت تلاوت کرنے والے تھے'' اور آپ نے ان پر چار تکبیریں کہی، یعنی چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔(۴۱)

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یکے بعد دیگرے درج ذیل رواۃ ہیں:

(۱) یحییٰ بن الیمان: اس کو حافظ ابن حجر نے "صدوق عابد یخطیء کثیرا وقد تغیر" ''سچا اور عابد ہے بہت غلطیاں کرتا ہے نیز اس کا حفظ متغیر ہو گیا تھا'' کہا ہے۔(۴۲)

(۲) منہال بن خلیفہ: اس کو حافظ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔(۴۳)

(۳) الحجاج بن أرطاۃ: اس کے متعلق حافظ کہتے ہیں: "صدوق کثیر الخطأ والتدلیس" ''سچا ہے بہت غلطیاں اور تدلیس کرنے والا ہے''۔(۴۴)

واضح رہے کہ ابن ماجہ کی سند سے ''حجاج بن أرطاۃ'' ساقط ہے، واللہ اعلم۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو جابر بن عبداللہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما کی گزشتہ حدیثوں کی شہادت کی بنا پر ''حسن لغیرہ'' قرار دیا ہے۔(۴۵) اور ''ضعیف الترمذی'' (۴۶) میں کہا ہے:

(۴۱) اسے امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' میں ''باب ماجاء فی الدفن باللیل'' حدیث نمبر (۱۰۵۷) طبع مشہور حسن سلمان میں بلفظ مذکور اور امام ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' حدیث نمبر (۱۵۲۰) طبع مشہور حسن سلمان میں مختصرا روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے اسے ''حسن'' کہا ہے، نیز ملاحظہ فرمائیں: حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء للحافظ ابی نعیم الاصفہانی (۱۲۲/۱)

(۴۲) تقریب التہذیب لابن حجر، ترجمہ نمبر (۷۷۲۹)

(۴۳) تقریب التہذیب لابن حجر، ترجمہ نمبر (۶۹۶۵)

(۴۴) تقریب التہذیب لابن حجر، ترجمہ نمبر (۱۱۲۷)

(۴۵) احکام الجنائز وبدعہا للالبانی (ص ۱۸۰)

(۴۶) ضعیف سنن الترمذی للالبانی (ص ۱۱۸) حدیث نمبر (۱۰۶۹/۱۷۸) مطبوعہ المکتب الاسلامی الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ = ۱۹۹۱م۔

''ضعیف ہے مگر اس میں موضع شاہد (رات میں دفن کرنا) حسن ہے''۔

مذکورہ بالا تینوں روایتوں میں ''رجل'' سے مراد عبداللہ ذوالبجادین ؓ ہیں جیسا کہ ان کے سیاق سے ظاہر ہے۔(۴۷)

موخر الذکر تینوں صحابیوں کی روایتوں (یعنی تیسری، چوتھی اور پانچویں حدیث) میں عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، جس سے عبداللہ بن مسعود (۴۸) اور عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ عنہما کی روایت میں قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے جزء کی نکارت مزید واضح ہوجاتی ہے۔لہذا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں کیونکہ ان کے واقعہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ جزء ''منکر'' ہے، واللہ اعلم۔



(۴۷) نیز ملاحظہ فرمائیں: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح لعبید اللہ الرحمانی المبارکفوری (۴۴۱/۵) مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیۃ جامعہ سلفیہ بنارس، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م۔

(۴۸) عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی تدفین اور تدفین کے بعد آپ ﷺ کا ان کے حق میں دعا کرنے کے واقعہ کو کئی ائمہ وحفاظ مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں تعلیقا بھی روایت کیا ہے، مثلا ملاحظہ ہو:

(الف) دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم الاصفہانی (ص ۴۵۹) مطبعۃ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۱۳۹۷ھ=۱۹۷۷م۔

(ب) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر (۲۹۳/۲) المطبوع فی ھامش الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی من المکتبۃ دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولی ۱۳۲۸ھ۔

(ج) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن اثیر الجزری (۴۰۹/۶) مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔

(د) تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام للذھبی ''جزء المغازی'' (ص ۶۶۱) الناشر دار الکتاب العربی بیروت، بتحقیق الدکتور عمر عبد السلام تدمری، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸م۔

واضح رہے کہ ان کتابوں میں بھی تدفین کے بعد قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر نہیں ہے، واللہ اعلم۔

مصنف دیوان گلشن ہدایت............
مولانا ابوسعید صاحب جھمکاوی

(۷)

مولانا محمد حنیف مدنی
مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

مولانا ابوسعید صاحب جھمکاوی امام المناظرین علامہ عبدالرشید صاحب جھمکاوی کے سب سے بڑے لخت جگر تھے، آپ کی ولادت اپنے ننہیال دہلی کے اندر پہاڑ گنج میں اپنے ماموں عبدالرحمٰن صاحب کے گھر ہوئی، عبدالرحمٰن صاحب اور شیخ عطاء الرحمٰن صاحب دہلی کے بہت بڑے امیر ورئیس تھے اور دہلی کی مشہور ومعروف درسگاہ جامعہ دارالحدیث رحمانیہ انہیں لوگوں کے نام سے منسوب ہے اور آپ کی والدہ انہیں لوگوں کے گھر کی لڑکی تھیں اور وہیں رہتی تھیں اور وہیں آپ نے نشو ونما پائی، اپنی ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی اور دہلی کے مشہور ومعروف عالم علامہ عبدالوہاب صاحب محدث سے اکتساب فیض کیا اور وقت وزمانے کے بڑے بڑے علماء ومشائخ کی شاگردی اختیار کی اور علوم تفسیر وحدیث وصحیحین کی تعلیم زمانے کے سب سے بڑے عالم علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی اور کچھ دوسرے علوم وفنون کی طلب کے لئے کانپور تشریف لے گئے اور کانپور مدرسہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے مختلف علوم وفنون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن جھمکا واپس آئے، اور تعلیمات کتاب وسنت کی نشر واشاعت، دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی میں مشغول ہوگئے، پھر بغرض تعلیم لاہور گئے اور وہاں باضابطہ داخلہ لیا اور وہیں مولانا عبداللہ صاحب منطقی سے ہر قسم کے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد پھر اپنے وطن واپس آئے۔

دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس

آپ نے دعوتی وتبلیغی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ درسی وتدریسی خدمات انجام دینے کی طرف بھی کافی توجہ دیا اور نونہالان طالبان علوم کتاب وسنت کی علمی تشنگی بجھانے اور ان کی صحیح آبیاری کے لئے ضلع چمپارن کی مشہور ومعروف بستی سِکٹا میں مدرسہ دارالسلام کی بنیاد رکھی جو ابھی تک قائم ہے مگر مقلدین کے قبضہ میں ہے۔ اس درسگاہ کی شہرت جب ملک ہند ونیپال میں ہوئی تو ہند ونیپال کے مختلف اضلاع اور خطوں سے تشنگان علوم کتاب وسنت اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے سال بسال اس مدرسہ میں آنے لگے اور تحصیل علم کے بعد مختلف جگہوں میں پھیل کر دین اسلام کی خدمت کرنے لگے اور آپ کے

تلامذہ میں بڑے بڑے علماء وفضلاء پیدا ہوئے ہیں۔

علمی صلاحیت وقابلیت:

مولانا ابوسعید صاحب ایک جید عالم دین تھے، جس طرح تفسیر وحدیث کے بڑے ماہر تھے اسی طرح آپ منطق وفلسفہ کے بھی امام تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں آپ مدرسہ دارالسلام سکٹا کے چیرمین اور ماہراستاد تھے اور تدریسی وتبلیغی خدمات کی انجام دہی میں مشغول تھے تو اس زمانے میں مولانا آزادسبحانی جو علم منطق وفلسفہ کے بہت بڑے عالم وفاضل تھے، مدرسہ دار التکمیل، چندوارہ، مظفر پور میں تشریف لائے، وہاں مولانا آزادسبحانی کو کسی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مدرسہ دارالسلام سکٹا کے بانی مولانا ابوسعید صاحب جھمکاوی کا گاؤں جھمکا علماء وفضلاء میں بہت زیادہ معروف ومشہور ہے، لہذا اس بستی کو دیکھنے کی غرض سے مظفر پور سے روانہ ہوئے جب آپ سکٹا اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک عظیم الشان دینی ادارہ ہے تو آپ یہاں سے آگے بڑھنے کے بجائے اس ادارے میں تشریف لائے، یہیں مولانا ابوسعید صاحب جھمکاوی سے ملاقات ہوگئی، اثنائے گفتگوان کو معلوم ہوا کہ مولانا ابوسعید صاحب جس طرح علوم تفسیر وحدیث میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اسی طرح علم منطق وفلسفہ کے بھی امام ہیں، یہ بات معلوم ہونے کے بعد مولانا آزادسبحانی نے علم منطق وفلسفہ میں آپ سے گفتگو شروع کی اور مسلسل چارروز تک اس فن پر گفتگو ہوتی رہی، بالآخر آزادسبحانی کو معلوم ہوگیا کہ اس شخص سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے تو اپنا سپر ڈال دیا اور شیخ سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھا:

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست — شاید کہ پلنگ تفتہ باشد

یعنی آدمی کو یہ خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ چمپارن کا علاقہ علماء وفضلاء سے خالی ہے، اس چمپان کی مشہور بستی جھمکا میں علوم وفنون، تفسیر وحدیث اور منطق وفلسفہ کا امام سویا ہوا ہے۔

مناظرہ:

آپ میدان مناظرہ کے عمدہ شہسوار اور امام بھی تھے، آپ نے لاہور، کراچی اور بنگلہ دیش میں ڈھاکہ، رنگ پور اور صوبہ بنگال میں صید پور، دیناج پور اور مرشد آباد وغیرہ جگہوں پر مختلف مکاتب فکر اور عقائد ونظریات کے علماء سے مناظرہ کیا ہے اور ہر جگہ فتح وکامرانی حاصل ہوئی ہے، اسی طرح بعض فروعی مسائل میں جماعت اہل حدیث کی مایہ ناز ہستی مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی سے مناظرہ ہوا، آپ کے مناظرہ کی تعداد زیادہ ہے، یہاں صرف بعض کا ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) جب آپ لاہور میں مولانا عبداللہ صاحب منطقی سے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کررہے تھے تو اسی دوران عبدالحق پادری جوالہ سنگ جو چمپارن کے مشہور شہر بتیا کورٹ میں آپ کے والد مولانا عبدالرشید صاحب سے مناظرہ میں شکست کھا کر فرار ہوگیا تھا اس سے لاہور ہی میں آپ کا زبردست مناظرہ ہوا، اس مناظرہ میں وہ بہت بری طرح شکست کھایا، اس طرح

باپ بیٹے دونوں نے اس کو مناظرہ میں زبردست شکست دیا، ان دونوں مناظروں کا ذکر علامہ عبدالرشید صاحب کے حالات میں کیا جاچکا ہے۔ جوالہ سنگ کو مناظرہ میں شکست دینے کے بعد مولانا عبداللہ صاحب منطقی نے کہا کہ اب مولانا ابوسعید صاحب کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، لہذا انہوں نے آپ کو سند دے کر مدرسہ سے رخصت کیا اور نصیحت کی کہ اب آپ اپنے وطن جاکر دین اسلام کی خدمت انجام دیں، لہذا وہ پھر اپنے وطن جھمکا تشریف لے آئے۔

(۲) حافظ عبداللہ صاحب صادقپوری نے عشر کے مسئلے میں مناظرہ کے لئے آپ کو چیلنج کیا تو آپ نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنے مناظرانہ، مباحثانہ اور عالمانہ تقریروں کے ذریعہ ثابت کیا کہ عشر زکاۃ میں سے نہیں ہے اور ان کو میدان مناظرہ میں بری طرح سے شکست دیا۔

(۳) ایک بہت بڑا مناظرہ ضلع مشرقی چمپارن کے مشہور شہر موتی ہاری بلوا چوک میں اہل حدیث اور حنفی کے درمیان ہوا، اور اس مناظرہ میں بہت بڑی تعداد تھی، پورے موتی ہاری شہر کے ہندو اور مسلمان اور اس کے قرب وجوار کی بستیوں کی بہت بڑی تعداد اس مناظرہ میں شمولیت اختیار کی، فورس اور ڈیم ایم کی گاڑیاں مناظرہ کے چاروں پر پہرہ دے رہی تھیں کہ کہیں خون خرابہ کی نوبت نہ آجائے۔ حنفی مسلک کے کئی درجن علماء موجود تھے اور اہل حدیث کے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے، اس مناظرہ میں مولانا ابوسعید صاحب کو ان کے وطن جھمکا سے موتی ہاری بلایا گیا، آپ موتی ہاری تشریف لائے۔ موضوع مناظرہ تھا: ''تقلید شخصی'' جب دونوں فریق کے علماء آمنے سامنے تشریف لائے تو سب سے پہلے مولانا ابوسعید صاحب نے تقلید شخصی کے بارے میں کچھ سوالات کئے اور ان سے ان کے جوابات مانگے، ان کے جوابات حنفی علماء نے نہیں دیا اور وہ لوگ لاجواب ہوگئے، تقلید شخصی کی بابت کچھ سوالات ہدیۂ مناظرین کئے جارہے ہیں، آپ نے پوچھا کہ تقلید عربی لفظ ہے تو عربی لغت میں اس کا کیا معنی ہے؟ اصولیین اور متکلمین کی اصطلاح میں تقلید شخصی کی جامع ومانع کیا تعریف ہے؟ تقلید ائمہ اربعہ فرض ہے یا واجب یا مستحب؟ اور فقہاء کے نزدیک اس کی کیا تعریف ہے؟ اسی طرح جمعیت علمائے ہند کے بڑے بڑے علمائے احناف اور حناف کمپنی کے اکابر ہونے کے باوجود امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مخصوص مسائل کو اختیار کیوں کیا؟ جب کہ آپ علمائے احناف امام ابوحنیفہ ؒ کے مقلد کہلاتے ہیں، جب مذکورہ سوالات کو سنا تو جواب دینا تو درکنار قدم کی مٹی سرکنے لگی اور الٹے قدم بھاگ نکلے۔

سیروسیاحت:

آپ بغرض سیروسیاحت جھمکا سے گجرات تشریف لے گئے اور وہاں کی معروف ومشہور شخصیت علامہ نواب ٹونکی کے مہمان ہوئے، گجرات کی سرزمین پر بہت دور دراز تک ان کی علمی مباحثانہ اور مناظرانہ تقریریں ہوتی رہیں، اسی لئے علامہ نواب ٹونکی نے آپ کو اپنا مہمان خصوصی بنایا اور اپنی قیمتی لائبریری میں مطالعہ کرنے کی جگہ دی، جس میں ہر قسم کے علوم وفنون کی کتابیں موجود تھیں اور مسلسل چھ ماہ تک آپ نے بغور مطالعہ کیا، آپ پھر وہاں سے اپنے وطن جھمکا تشریف لائے۔☆ (جاری)

صحت وتندرستی:

کھجور کے فوائد

قرآن مجید میں کھجور کا ذکر صرف رطب اور نخل کی صورت میں آیا ہے جب کہ احادیث میں یہ آٹھ ناموں سے موسوم ہے۔ پانی میں بھگو کر اس کا عرق یا شربت نبیذ کہلاتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کو کھجور بہت پسند تھی۔ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ روایت فرماتے ہیں کہ:

میں نے انہیں دیکھا کہ وہ کھجوروں کے ساتھ تربوز کھا رہے تھے۔

ابوداؤد نے اضافہ کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں کھجور کی گرمی کو تربوز کی ٹھنڈک سے برابر کر لیتا ہوں یا تربوز کی ٹھنڈک کھجور کی گرمی سے زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں:

نبی ﷺ نے فرمایا جس گھر میں کھجور ہو، وہ گھر والے کبھی بھوکے نہ رہیں گے۔ (مسلم)

نبی ﷺ کھجور کو رات بھگو کر اس کا پانی استعمال کرتے تھے۔ ابواسیدؓ کی دعوت ولیمہ میں یہی پانی بڑے شوق سے پیا۔ جب کہ ابوالہیم بن الیتھانؓ نے جب ان کے ساتھ حضرت ابوبکر اور عمرؓ کی اپنے باغ میں دعوت کی تو ان سے کہا کہ تم نے تو پکی ہوئی کھجوروں کو بھگویا ہے۔ ہمیں زیادہ پسند ہوگا اگر پکی ہوئی کھجور کے ساتھ نیم پختہ (بسر، رطب) کھجوریں بھی ملا کر ان کا پانی ہمیں پلایا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کی نبیذ میں بھی توانائی کے ساتھ ساتھ فرحت پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

یہ پانی جسم کی غلیظ رطوبتوں کو خشک کرتا ہے، معدہ کو تقویت دیتا ہے، منہ کے زخموں کو مندمل کرتا ہے۔ خاص طور پر مسوڑھوں کی سوزش میں مفید ہے۔

پھلوں میں کھجور ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ یہ جسم کے ہر حصے کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے سکنجبین زیادہ مؤثر ہے۔ جب کہ دوسرے ذرائع بتاتے ہیں کہ کھجور کے ذیلی اثرات کو دور کرنے کے لئے اس کے ساتھ بادام اور خشخاص کا استعمال زیادہ مفید رہتا ہے۔

اطبائے قدیم کے مشاہدات: کھجور کے درخت کو چیت بیساکھ (مارچ، اپریل) میں پھول لگتے ہیں۔ بھادوں اور اسوج (اگست، ستمبر) میں پھل پک کر تیار ہوتا ہے۔ اس کے پیڑ سے ایک قسم کا گوند نکلتا ہے جو بیرونی چوٹوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اس کے درخت کے تنے میں گھاؤ لگائیں تو ایک میٹھا اور خوشبودار رس نکلتا ہے۔ تازہ پئیں تو بڑا لذیذ ہوتا ہے مگر ایک دن گذرنے کے بعد اس میں خمیر اٹھ جاتا ہے اور نشہ آور بن جاتا ہے۔

کھجور کے فوائد:

- کھجور خون پیدا کرتی ہے اور جلد ہضم ہوتی ہے۔
- قوت باہ کو مضبوط کرتی ہے۔
- مقوی جگر و معدہ ہے، بدن کو فربہ کرتی ہے۔
- فالج ،لقوہ اور امراض باردہ میں بے حد مفید ہے۔
- جلی ہوئی کھجور زخموں سے خون بہنے کو روکتی ہے اور زخم جلدی بھرتی ہے۔خشک کھجور کو جلا کر راکھ بنالیتے ہیں اور بوقت ضرورت استعمال میں لاتے ہیں۔
- کھجور کا تازہ پھل سل و دق کے لئے مفید ہوتا ہے۔
- گٹھلی کھجور کو رگڑ کر استعمال کرنے سے دست آنے بند ہو جاتے ہیں۔
- کھجور گردے اور کمر کو طاقت دیتی ہے۔اور ریاح ،ورم کو تحلیل کرتی ہے۔
- بادی بلغم کو چھانٹتی ہے۔
- خشک کھانسی اور دمے میں کھجور کا استعمال انتہائی مفید ہوتا ہے۔
- گیس کے مریض صبح ناشتے میں تین سے گیارہ دانے کھجور کھا کر پانی، دودھ یا پھر چائے پئیں تو اس مرض سے نجات مل جاتی ہے۔
- اگر دبلے پتلے لوگ چاہیں کہ موٹے ہو جائیں تو ایک پاؤ کھجور پندرہ روز تک کھا کر بعد میں دودھ پئیں، یقیناً صحت مند ہو جائیں گے۔
- کھانسی، بخار اور پیچش میں کھجور کا استعمال مفید ہوتا ہے۔
- یہ قبض کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ پیشاب آور بھی ہے۔
- کھجور کے درخت کا گوند بیرونی چوٹوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔
- گردوں، مثانہ، پتہ، آنتوں میں قولنجی دردوں کو روکنے کے لئے کھجور کا متواتر استعمال انتہائی مفید ہوتا ہے۔
- اگر کھجور کو نہار منہ کھایا جائے تو یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے۔
- کھجور کے پھول معدے کو طاقت دیتے ہیں، قبض پیدا کرتے ہیں، دست بند کرتے ہیں، خون تھوکنے اور خون آنے میں مفید ہیں۔
- کھجور کھانے سے بلغم نکلتا ہے اور طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔

احتیاط: کھجور کا زیادہ کھانا مضر ہوتا ہے جگر اور تلی میں سدہ پیدا کرتا ہے، اور خون کو جلاتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ اس نعمت خداوندی کو مناسب مقدار کے مطابق ہی کھایا جائے۔☆☆☆

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ

جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ ۷ر شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰ راگست ۲۰۰۸ء بروز اتوار جامعہ کے میٹنگ ہال میں منعقد ہوئی، اس اہم میٹنگ میں شہر بنارس کے معززین کے ساتھ ہندوستان کے مختلف شہروں سے اراکین جامعہ و مدعوین خصوصی نے شرکت فرمائی جن میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب، مولانا شاہد جنید سلفی صاحب، مولانا عبداللہ سعود عبدالوحید صاحب، مولانا عبداللہ زبیری صاحب، جناب عبداللطیف صاحب، جناب حاجی عبدالرشید صاحب مالیر کوٹلہ، مولانا عبدالسلام رحمانی صاحب بونڈھیار، مولانا عین الباری عالیاوی صاحب کولکاتا، مولانا محمد سلیمان میرٹھی صاحب، مولانا عبدالسلام سلفی صاحب ممبئی، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب دہلی، مولانا مظہر احسن ازہری صاحب مئو، ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم صاحب، ڈاکٹر اختر جمال لقمان صاحب، مولانا احسن جمیل سلفی صاحب، مولانا عبدالوہاب خلجی دہلی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب اور جناب سعود احمد کراؤن صاحب مئو حفظہم اللہ قابل ذکر شخصیات ہیں۔

مجلس منتظمہ کی میٹنگ کا آغاز صبح دس بجے ہوا جس کی صدارت صدر جامعہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ نے فرمائی۔

ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ نے میٹنگ کا آغاز کیا، حمد وصلاۃ کے بعد شرکاء منتظمین کا خیر مقدم کرتے ہوئے پروگرام میں شرکت پر ان کا شکریہ ادا کیا اور آج کی میٹنگ کے ایجنڈوں پر روشنی ڈالی، اس کے بعد حسب ایجنڈا گذشتہ کارروائی کو اراکین کے سامنے پیش کیا، جس پر صدر مجلس نے توثیقی دستخط ثبت فرمایا۔

اس کے بعد محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے میٹنگ کی کارروائی کو آگے بڑھاتے ہوئے دوسرے ایجنڈے پر شیخ الجامعہ جناب مولانا محمد یونس مدنی حفظہ اللہ سے تعلیمی رپورٹ پیش کرنے کو کہا، آپ نے تعلیمی رپورٹ پڑھ کر سنائی، آپ نے جامعہ کی تعلیمی سرگرمیوں اور نتائج امتحان، تعداد فارغین، تعداد ملحق مدارس و تعلیمی معیار اور متعلقہ دیگر نشاطات جامعہ کی تفصیل سے مجلس کو مطلع کیا۔

اس کے بعد ناظم صاحب نے مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ مدیر ادارۃ البحوث الاسلامیۃ سے اپنی رپورٹ پیش کرنے کو کہا، چنانچہ آپ نے اس سال ادارۃ البحوث الاسلامیۃ کی جانب سے شائع شدہ کتابوں کی تعداد و تفصیل اور زیر طباعت کتابوں کی تعداد کے ساتھ زیر تیاری کتابوں کا تذکرہ کیا، اور اسی طرح آپ نے دارالافتاء کے حوالہ سے اپنی رپورٹ میں اس سال کے فتاوے اور ان کے محفوظ شدہ ریکارڈ نیز دعوت و تبلیغ و تصنیف کے کاموں کی بھی رپورٹ پیش فرمائی۔

مجلس کا تیسرا ایجنڈا جامعہ کے نائب صدر ثانی کے انتخاب سے متعلق تھا، چونکہ یہ عہدہ مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سے خالی تھا، اس لئے مجلس منتظمہ نے فضیلۃ الشیخ مظہر احسن ازہری حفظہ اللہ کو باتفاق رائے جامعہ کا

نائب صدر ثانی منتخب کیا، اس موقع پر ناظم صاحب نے شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی بیش بہا خدمات کو سراہا اور ان کے لئے بخشش ورحمت کی دعا بھی فرمائی اور جماعت کی بعض اہم دیگر شخصیتوں کا بھی ذکر کیا جو وفات پا چکے ہیں جن میں ماسٹر عبدالمنان صاحب جو جامعہ کے اکاؤنٹ سیکشن میں لمبے عرصہ تک خدمت کی ہے اور جماعت کے مشہور داعی اور مجاہد آزادی جناب مولانا عبدالقیوم رحمانی، جناب حکیم عبدالصمد محمدی رحمہم اللہ ہیں۔

ناظم صاحب نے جامعہ کے بعض ادارتی امور نیز تعلیم وتربیت سے متعلق اصلاحی اقدامات اور ترقیوں کا تذکرہ کیا جس میں جامعہ کی سنٹرل لائبریری میں کثیر تعداد میں اضافۂ کتب اور اس کے لئے جامعہ کے مجلس منتظمہ کے رکن فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر جاوید اعظم حفظہ اللہ اور جامعہ کے ان ابناء کا جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہیں کے خصوصی تعاون کا تذکرہ کیا، اور جامعہ میں منعقد ہونے والے پروگراموں کی تفصیل کے ساتھ تازہ حالات ومشکلات سے بھی مجلس کو مطلع کیا۔ مجلس نے ان کاموں کو سراہا اور ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

میٹنگ کا چوتھا ایجنڈا جامعہ کی توسیع سے متعلق تھا، ناظم صاحب نے بتایا کہ جامعہ محدود جگہ پر ہے اور بہت پہلے سے اس کی توسیع کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے اور مزید کسی پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے بھی ہمیں جگہ کی ضرورت درپیش ہے۔ حاضرین نے بھی اس کی ضرورت کی تائید کی اور ناظم صاحب کو ذمہ داری سپرد کی کہ ذمہ داران سے مشورہ کر کے ایک کمیٹی بنا کر یہ کام اس کے حوالہ کیا جائے۔

میٹنگ کا پانچواں ایجنڈا یہ تھا، جامعہ سلفیہ کے انتظامی امور نیز تعارف وترقی کے لئے ایک مشاورتی بورڈ کے قیام کی منظوری۔ ناظم صاحب نے بتایا کہ آج ملک کے حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ جماعت کے تجربہ کار اور جہاں دیدہ لوگوں سے رابطہ کو مضبوط کریں۔ سال میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہمارا اجتماع ہو جس میں ہم حالات کا جائزہ لیں اور جامعہ کو مزید مستحکم بنانے اور ترقی کے لئے ان کے ساتھ رائے ومشورہ ہو۔ مجلس نے اس ایجنڈا کی تائید کی اور ناظم صاحب کو یہ کام سپرد کیا کہ ذمہ داران سے مشورہ کے بعد سات افراد پر مشتمل ایک مشاورتی بورڈ کی تشکیل ہو۔،

بعدہ محترم ناظم صاحب نے گذشتہ سال کی آمدنی وخرچ کی تفصیلات اور سال رواں کا بجٹ پیش کیا اور آئندہ سال کے تخمینی بجٹ بھی رکھا۔ مجلس نے اس پر غور کیا اور عوام سے خصوصی تعاون کرنے کی اپیل کی گئی، نیز آمدنی کے ذرائع پر بھی غور کیا گیا۔

آخر میں محترم رئیس جامعہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ نے اپنے خطاب میں حاضرین مجلس کو جامعہ سلفیہ کی بہبود وترقی کے لئے حتی المقدور کوشش کرنے پر زور دیا اور درخواست کیا کہ جامعہ کے ساتھ ہر طرح سے قوی ربط وتعلق برقرار رکھیں، اور آپ نے تمام ذمہ داروں کے حق میں دعاء خیر فرمائی کہ سبھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

(دفتر نظامت)

☆☆☆

جامعہ سلفیہ بنارس میں ہونہار طلباء کا تیسرا سالانہ تحریری انعامی مقابلہ

اونچی جماعتوں کے ہونہار طلباء کی ہمت افزائی کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس میں تیسرا تحریری انعامی مسابقہ ۳۱/۷/۲۰۰۸ء میں منعقد ہوا جس میں سعودی عرب کے علماء کے ایک معزز وفد نے شرکت کی، جس میں ڈاکٹر صالح بن عبدالرحمٰن الیوسف رئیس قضاۃ ہائی کورٹ صوبہ الخبر ،فضیلۃ الشیخ سعید مفلح آل حامد،فضیلۃ الشیخ حمد عبدالعزیز الخضیری،فضیلۃ الشیخ الولید محمد صالح الخضیری،سعادۃ الدکتور محمد عبدالرزاق اسود شامل ہیں۔

اس مقابلہ کا مرکزی موضوع اس سال: "الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز رحمه الله: حياته وخدماته" ''علامہ ابن باز اوران کی حیات وخدمات'' تھا،اس مسابقہ میں حصہ لینے کے لئے بہت سے طلبہ نے نام درج کرایا جن میں سے صرف (۲۵) ممتاز طلبہ کو منتخب کیا گیا،ان طلبہ نے پندرہ صفحات پر مشتمل مقالے پیش کئے ان میں چودہ مقالے اردو میں اور گیارہ عربی میں ہیں جنہیں جامعہ سلفیہ کے متعین حکم اساتذہ نے جانچا پرکھا اور ستر نمبرات میں سے انہیں کے لائق نمبرات عطا کئے،مقابلہ کے اختتامی اجتماع ۳۱/جولائی کو شریک طلباء نے اپنے مقالات کے خلاصے پیش کئے جن پر متعین حکم اساتذہ نے تیس نمبرات میں سے ان کے لائق نمبرات عطا کئے،اختتامی مجلس کی پہلی نشست اردو کے لئے مختص تھی جس کی صدارت کویت سے تشریف لائے مولانا صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ نے فرمائی اور اس اجتماع کی دوسری نشست عربی کے لئے مخصوص تھی جس کی صدارت جامعہ سلفیہ کے صدر جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ نے فرمائی، اس نشست میں عرب وفد نے بھی شرکت کی جس پر انہیں خوشدآمدید کہا گیا،اس نشست میں نتائج کا اعلان ہوا اور انعامات کی تقسیم کی گئی،مہمانوں کو صدر جامعہ نے خوش آمدید کہا، پھر جامعہ سلفیہ کے رکن اور جامعۃ الملک فیصل کے کلیۃ البنات میں مساعد استاد حدیث ڈاکٹر جاوید اعظم نے اس تقریب سے متعلق کچھ باتیں کہیں،اور ڈاکٹر صالح بن عبدالرحمٰن الیوسف حفظہ اللہ نے جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران کا شکرہ ادا کیا۔انعامات عرب مہمانوں اور ذمہ داران جامعہ کے ہاتھوں تقسیم کئے گئے، جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی جناب مولانا عبداللہ سعود عبدالوحید سلفی نے سفر کی صعوبات برداشت کرکے جامعہ کی زیارت پر آئے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، ذیل میں مقابلہ میں شرکت کرنے والے طلباء کے نام ان کے موضوعات اور ان کے نمبرات کی فہرست دی جارہی ہے:

(أ) باللغة الأردية

نمبرشمار	نام	جماعت	موضوع	مصلہ نمبر
۱	محمد عابد محمد رفيق	ف ۳		۷۷
۲	محمد عثمان عبد الجليل	ف ۳	شیخ عبدالعزیز	۸۲
۳	نياز الله ضمير الله	ف ۳	بن باز رحمه الله	۷۱
۴	رئيس أحمد عنايت الله	ف ۲	اور	۷۳
۵	محمد عمران محمد اسماعيل	ف ۲	سلفی دعوت	۷۲
۶	أبو الوفاء محمد ليث	ف ۲		۷۶
۷	محمد افتخار عالم محبوب عالم	ف ۱		۷۰
۸	عبيد الله عبد المتين	ف ۱		۷۲
۹	خالد أشرف عبد الوحيد	ف ۱		۸۱
۱	منظور عالم عبد المعبود	ع ۲	شیخ عبدالعزیز	۷۹
۲	عبد القادر شبير أحمد	ع ۱	ابن باز	۸۳
۳	مامون مظهر محمد مظهر	ع ۱	اور	۸۴
۴	محمد التمش محمد نعيم	ع ۱	خدمت خلق	۸۲
۵	محمد شمس الحق محمد علاء الدين	ع ۱		۵۴

(ب) باللغة العربية

نمبرشمار	نام	جماعت	موضوع	مصلہ نمبر
۱	صديق أحمد نفيس أحمد	ف ۳	الشيخ عبدالعزيز	۷۳
۲	رياض أحمد شام محمد	ف ۳	ابن باز	۷۲
۳	شميم أحمد محمد ابراهيم	ف ۲	وعنايته	۷۴
۴	نور عالم محمد ابراهيم	ف ۲	بمسيرة الدعوة	۶۷
۵	اسامه أحمد صغير أحمد	ف ۱	فى	۷۱
۶	عزير أحمد عبد الرشيد	ف ۱	العالم	۷۱
۱	عزير احمد انور على	ع ۲	الشيخ عبدالعزيز	۷۳
۲	مبارك حسين محمد عمر	ع ۲	ابن باز	۷۱
۳	خير الاسلام بحر الحق	ع ۲	فى	۷۲
۴	عبد الصمد أحمد مسلمان	ع ۱	ضوء مؤلفاته	۷۸
۵	غياث الدين عبد العزيز	ع ۱		۶۸

اخبار جامعہ

اعلان داخلہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں آئندہ تعلیمی سال (۳۰-۱۴۲۹ھ) کے لئے صرف درج ذیل شعبوں میں محدود داخلہ ہوگا۔

۱-متوسطہ اولی ۲-عالمیت اول ۳-فضیلت اول

۴-شعبۂ حفظ ۵-تجوید اول ۶-تخصص

مذکورہ شعبوں میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ ۱۰رشوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۱راکتوبر ۲۰۰۸ء بروز سنیچر جامعہ میں حاضر ہوجائیں۔

شرائط داخلہ

☆ داخلہ کے خواہش مند طلبہ اپنے ساتھ مندرجہ ذیل کاغذات ضرور لائیں، ورنہ داخلہ امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔
(۱) خارجہ سرٹیفیکٹ (ٹی سی) مصدقہ کاپی، (۲) مقامی جمعیت اہلحدیث یا کسی معروف شخصیت کا تصدیق نامہ (اصلی) (۳) مارکشیٹ اور سند (مصدقہ کاپی)، (۴) چار عدد فوٹو، (۵) شہریت کا ثبوت आवासीय प्रमाण पत्र (مصدقہ کاپی)

☆ فضیلت اول میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ کے لئے انٹرمیڈیٹ کے معیار کی انگلش ضروری ہے، اور متوسطہ اولی کے لئے پرائمری کی انگلش ضروری ہے۔

☆ تخصص میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ کے لئے جامعہ سلفیہ کی فضیلت کی سند یا اس کے مساوی سند ساتھ میں لانا ضروری ہے۔

ادارۃ القبول والتسجیل

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم)، بنارس

اعلان

جامعہ سلفیہ بنارس میں امسال ضمنی امتحان ۲۰رشوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱راکتوبر ۲۰۰۸ء بروز منگل شروع ہوگا، ان شاء اللہ۔

قدیم طلبہ مورخہ ۱۷رشوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۸راکتوبر ۲۰۰۸ء بروز سنیچر جامعہ میں حاضر ہوجائیں۔

ادارۃ شئون الطلاب

ہماری نئی مطبوعات

نام کتاب:	اسلامی علوم میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ
ناشر:	ادارۃ البحوث الاسلامیۃ، جامعہ سلفیہ، بنارس
صفحات:	۱۸۴
مطبع:	سلفیہ آفسیٹ پریس بنارس
اشاعت دوم:	دسمبر ۲۰۰۷ء
قیمت:	-/70 روپئے
ملنے کا پتہ:	Maktaba Salafiah, B-18/1-G, Reori Talab, Varanasi - U.P.

یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس میں ۱۹۸۶ء میں منعقد علمی سیمینار کے مختصر مقالات کا مجموعہ ہے جو آفسیٹ طباعت اور عمدہ سفید کاغذ وغیرہ کی بنا پر پہلی اشاعت کے مقابل بہت شاندار ہے، اس میں ملک کی معروف یونیورسٹیوں اور بڑے اسلامی مدارس و جامعات کے پروفیسران واصحاب قلم اساتذہ کے قیمتی مقالات شامل ہیں جن کی تعداد بتیس ہے، ان مقالات سے ہندوستانی مسلمانوں کی طویل علمی تاریخ کے اہم پہلوا جاگر ہوتے ہیں جس سے نئی نسلیں موجودہ علمی ترقی کے دور میں بہت کچھ فائدہ اور روشنی حاصل کرسکتی ہیں اور انسانی تہذیب وتمدن پر اسلام کے جو احسانات ہیں علم وثقافت کے حوالہ سے اس کو بخوبی جانا جاسکتا ہے، اصحاب علم وفن کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس کی جانب سے یہ ایک شاندار تازہ علمی تحفہ ہے۔

(عبدالوہاب حجازی)



نعت رسول

فائق بندوی
سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ، بنارس

مرے نبی کا ہر سخن کتاب زندگی بنا
مرے نبی کا ہر عمل گلاب کی طرح کھلا

خدا نے جو قرآن کا نزول آپ پہ کیا
تو پھر کلام وحی پیش کرنے کا شرف ملا

ہے جس کا حرف حرف آسماں کے تاروں کی طرح
جہان ہست وبود میں ہے روشنی کا سلسلا

وہ خاک جس پہ ہیں پڑے نبی پاک کے قدم
قسم خدا کی وہ زمیں اگل رہی ہے اب طلا

خدا نے کس قدر انہیں عظیم مرتبہ دیا
ہر اک اذان میں مسجدوں کے نام مصطفیٰ ملا

چمن چمن ہے بلبلوں کے لب پہ بس یہی دعا
بروز حشر اے خدا شفاعت نبی دلا

یہ حرف حرف نعت کا مہک رہا فضاؤں میں
نبی کے عطر بیز جسم کا ہمیں پتہ ملا

☆☆☆

باب الفتاوی

س (۱) اگر کسی شخص سے نماز عید کا کچھ حصہ چھوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟

س (۲) نماز عید اور نماز جمعہ ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ والسلام

الجواب بعون اللہ الوھاب:

ج (۱) اگر کوئی شخص امام کے ساتھ تکبیرات زائدہ کے دوران شامل ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے تکبیر تحریمہ کہے، پھر بقیہ چیزوں میں امام کی متابعت کرے اور جو کام رہ گئے ہیں وہ اس سے ساقط ہو جائیں گے۔ (أسئلۃ وأجوبۃ فی صلاۃ العیدین لابن عثیمین ص ۱۲)

اور جب امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو صرف تکبیر تحریمہ کہے، تکبیر کہہ کر رکوع کر لے، اور اگر امام کو تکبیرات سے فارغ ہونے کے بعد پائے تو ان تکبیرات زائدہ کی قضا نہ کرے، اس لئے کہ اس کا وقت ختم ہو چکا ہے، اور جب ایک رکعت چھوٹ جائے تو اس کی قضا کر لے، اور دوسری رکعت میں وہی کچھ کرے جو امام کرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ حدیث: ۵۸۱۲)

اور اگر امام کو تشہد میں پائے تو امام کے ساتھ بیٹھ جائے، اور جب امام سلام پھیر لے تو کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے، ان دونوں رکعتوں میں تکبیرات زائدہ کا خیال رکھے۔ (المغنی ۳/۲۸۵) اور اگر امام کے ساتھ پوری نماز نہ ملے تو دو رکعت ادا کرے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين، وكذلك النساء ومن كان في البيوت والقرى" ''اس بات کا بیان کہ جس شخص کو جماعت سے عید کی نماز نہ ملے تو وہ دو رکعت نماز پڑھ لے، اور عورتیں بھی ایسا کریں اور وہ لوگ بھی جو گھروں اور دیہاتوں وغیرہ میں ہوں وہ بھی ایسا کریں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''یہ ہم مسلمانوں کی عید ہے''، انس بن مالک کے غلام ابن ابی عتبہ زاویہ نامی گاؤں میں رہتے تھے، انہیں حضرت انس ؓ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو جمع کر کے شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھیں اور تکبیرات کہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۵)

حضرت انس بن مالک ؓ جب ان کی نماز عید فوت ہو جاتی تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے امام کی نماز عید کی طرح ان کو نماز پڑھاتے۔ (فتح الباری ۲/۵۵۱)

اور یہی قول عطاء، حسن بصری، ابراہیم، ابواسحاق، حماد اور دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ کا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ حدیث: ۵۸۰۶، ۵۸۰۷)

اور جب زوال آفتاب کے بعد عید کے چاند کی خبر معلوم ہو تو اگلے دن نماز عید ادا کریں، حضرت عمیر بن انس کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میرے چچاؤں نے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے انصار صحابہ میں سے تھے مجھے یہ حدیث بتلائی کہ شوال کا ہلال ابر کی وجہ سے دکھائی نہ دیا، ہم نے اگلی صبح کو روزہ رکھ لیا، پھر دن کے آخر میں سواروں کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ گواہی دی کہ انہوں نے کل چاند دیکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزہ کھول دیں اور اگلے دن نماز عید کے لئے نکلیں۔ (مسند احمد ۵/۵۷، سنن ابی داؤد ۱۱۵۷: دیگر کتب حدیث)

ج (۲) اگر ایک ہی دن میں عید اور جمعہ جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے والوں پر سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی پھر جمعہ کے بارے میں رخصت دے دی اور فرمایا جس کا جی چاہے پڑھے۔ (صحیح سنن ابی داود: ۹۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آج دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، جس کا جی چاہے جمعہ نہ پڑھے البتہ ہم جمعہ پڑھیں گے۔ (صحیح سنن ابی داود: ۹۴۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱۱)

امام کو چاہئے کہ وہ جمعہ کی نماز پڑھائے تاکہ جو لوگ جمعہ ادا کرنا چاہیں وہ اس کی امامت میں [جمعہ] ادا کرسکیں اور جو لوگ عید کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے اس کے لئے آپ کا فرمان ہے: ''اور ہم تو یقیناً جمعہ ادا کرنے والے ہیں''۔ (دیکھئے فقہ السنہ ۱/۲۷۷)

جو لوگ نماز عید پڑھنے کے بعد نماز جمعہ میں شریک نہ ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ نماز ظہر ادا کریں، اس لئے کہ ظہر اس وقت فرض ہو چکی ہے اس لئے اس کا چھوڑنا صحیح نہیں۔ (أسئلة وأجوبة في صلاة العيدين ص ۶-۷)

الجواب صحیح	ہذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم
محمد رئیس ندوی	حررہ: ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
جامعہ سلفیہ بنارس	جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆